پری خانہ

رنگیلے پیا جان عالم

واجد علی شاہ اختر

کی

خودنوشت داستانِ معاشقہ

کتاب کار پبلیکیشنز رامپور یو.پی

اشاعت :- جون ۱۹۶۵ء

قیمت :- دو روپے

(دہلی پرنٹنگ پریس رامپور)

تاجدار اودھ جانِ عالم واحد علی شاہ اختر کے معاشقوں کی خود نوشت داستان جس کو فارسی کے ایک نایاب قلمی نسخہ سے ترجمہ کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

ترجمہ

تحسین سروری

ترتیب

دیباچہ

مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی جو ہند و پاک کے صاحب علم و فضل بزرگوں میں ایک نمایاں حیثیت کے مالک ہیں اور جو مختلف علوم و فنون خاص کر تاریخ و سیر کی بے شمار کتابوں کے مصنف و مؤلف کی حیثیت سے اردو میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ میرے خاص عنایت فرماؤں میں سے ہیں۔

ایک روز میں نے موصوف کے پاس اوسط حجم کی ایک قلمی کتاب دیکھی جو جدید الخط ضرور تھی لیکن صاف اور عمدہ طرز میں لکھی ہوئی تھی۔ میں نے کتاب لیکر مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ فارسی زبان کا ایک نایاب نسخہ ہے اور اسکا نام پری خانہ ہے اور اس کے مصنف تاجدار اودھ جان عالم واجد علی شاہ اختر ہیں۔

جیسے جیسے میں کتاب کو پڑھتا گیا میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال میرے ذہن میں آیا کہ اس کتاب کو بہ اعتبار موضوع اردو زبان میں ہونا چاہیے تھا اور خود واجد علی شاہ اختر کا تعلق اردو زبان و ادب سے رہا ہے اس لحاظ سے بھی ان کی یہ یادگار تصنیف اردو ہی میں ہوتی میں نے اس بات پر کافی غور کیا کہ آخر واجد علی شاہ کو اسے فارسی میں لکھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی ہوگی۔ لیکن کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ سوائے اس کے کہ ان کی یہ ایک شاہانہ ترنگ تھی۔

○

واجد علی شاہ اختر کے سوانح نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے ان کی فارسی قابلیت کی بڑی تعریف کی ہے چنانچہ کتاب "پری خانہ" کے دیکھنے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ کتاب محض ان کے ذاتی اور نجی معاملات سے تعلق رکھتی ہے اس لئے سازو سامان، زیور و لباس، نشست و برخاست کے الفاظ، آداب و تعظیم کے کلمات اور محاورات و اصطلاحات فارسی نسخہ میں سب کے سب وہی استعمال کئے گئے ہیں جو اس وقت عام طور پر لکھنؤ اور خاص کر شاہی محلات میں مروّج تھے اس لئے لازمی طور پر اس کتاب کی حد تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فارسی نثر کا مزاج قطعی غیر ایرانی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صرف افعال و ضمائر فارسی ہیں باقی کا حصہ اردو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے ترجمہ کرتے وقت زیادہ دقت محسوس نہیں ہوئی۔

میں نے یہ بات جان عالم کی فارسی قابلیت کو کم بتانے کیلئے نہیں کہی بلکہ اس کتاب کی یہ خصوصیت مصنف کی غیر معمولی صلاحیتوں کی نشاندہی کرتی ہے کسی بدیسی زبان میں دیسی خصوصیات کو سمو دینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

تاریخوں اور تذکروں میں واجد علی شاہ کی تصانیف کی ایک طویل فہرست ملتی ہے لیکن انکی اس کتاب کا بہت کم ذکر آیا ہے غالباً ہمارے مورخوں اور تذکرہ نگاروں کے جذبۂ ملی اور غیرت قومی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ انکی اس نجی تصنیف کو جو محض واردات عشق و محبت سے تعلق رکھتی ہے۔ منظر عام پر لایا جائے اور اس طرح وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتے رہے کہ انگریزوں نے جوان کی عیش پرستی اور امور ریاست سے غفلت کا چرچا کیا ہے اس کی تکذیب ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ طریقہ انتہائی غلط تھا۔ تاریخ بہر حال ہر شخص کو اس

کے اصلی روپ میں پیش کر کے ہی رہتی ہے۔

○

میں نے "پری خانہ" کے متعلق داخلی معلومات کے علاوہ کچھ خارجی مواد بھی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ مولوی نجم الغنی خاں رامپوری کی تاریخ اودھ (جلد پنجم) کے دیکھنے سے ایک نئی چیز کا انکشاف ہوا۔ انہوں نے واجد علی شاہ کے "پری خانہ" کا بڑا تفصیلی تذکرہ قلم بند کیا ہے اور سارے حالات انہیں واجد علی شاہ کی ایک مثنوی سے دستیاب ہوئے ہیں ساتھ ہی مؤلف تاریخ اودھ نے جگہ جگہ مذکورہ مثنوی کے اشعار بھی نقل کئے ہیں جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہوتی ہے ان اشعار میں بڑی روانی اور برجستگی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اس مثنوی کی تصنیف میں بے پناہ خلوص اور شاعرانہ کمالات کو کام میں لایا ہے قیاس کہتا ہے کہ واجد علی شاہ نے جب "پری خانہ" کو فارسی نثر میں تحریر کر لیا تو انہیں اس کو اردو نظم کا جامہ پہنانے کا خیال آیا ہوگا لیکن افسوس کہ اس مثنوی کے متعلق مجھے کچھ تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں اور یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ یہ مطبوعہ ہے یا غیر مطبوعہ۔ تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے یہ ایک دلچسپ انکشاف ہے۔

زیر نظر کتاب "پری خانہ" اور نجم الغنی کے بیانات میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً واجد علی شاہ نے "پری خانہ" میں اپنی ایک محبوبہ ننھی بیگم کو انشاء اللہ خاں انشاء کی نواسی بتلایا ہے لیکن تاریخ اودھ میں انشاء کی بیٹی تحریر ہے اسی طرح "پری خانہ" میں واجد علی شاہ نے لکھا ہے کہ جب وہ آٹھ برس کے تھے تو رحیمن نامی ایک چہل سالہ عورت نے ان سے

چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ لیکن نجم الغنی نے یہ واقعہ پانچ سال کی عمر کا بتایا ہے مگر ہم واحد علی شاہ ہی کے بیانات کو صحیح تسلیم کریں گے۔

○

اس کتاب میں مندرج واقعات کے ساتھ اگر تاریخ و سن کی بھی صراحت ہوتی تو شاید اسکی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہوتا لیکن چونکہ مصنف کا مقصد اس کو تاریخی کتاب بنانا نہیں تھا اور اسکے علاوہ ہر واقعہ رونما ہوتے ہی فوراً قلمبند نہیں کیا گیا بلکہ آٹھ سال کی عمر سے ۲۶ سال کی عمر تک وہ جن واردات عشق و واقعاتِ ہجر و وصال سے دوچار ہوا تھا انہیں کافی مدت بعد محض حافظے کی مدد سے چند ماہ میں مرتب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ کتاب کے تسلسل میں بھی کچھ خلل واقع ہو گیا ہے چند ایک مقامات پر حوالے ملتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

- واحد علی شاہ کی ۱۵ ر شعبان ۱۲۵۳ھ کو علی نقی خاں ابن شریف الدولہ بن مدار الدولہ کی دختر سے شادی ہوئی۔
- ۱۲۵۵ھ میں اعظم بہو صاحبہ نواب خاص محل کے بطن سے دوسرا فرزند مرزا فلک قدر بہادر تولد ہوا
- ایک دفعہ واحد علی شاہ سوزاک کے مرض میں سخت مبتلا ہوئے۔ علالت کے زمانہ میں پریوں اور بیگموں نے بڑی بے اعتنائی اور بے پروائی کا سلوک کیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۲۶۵ھ کا ہے۔
- نفنہ حبشن کے بطن سے واحد علی شاہ کی جو دختر جہاں آرا بیگم تھی وہ تین سال کی عمر میں ۲۹ ر ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ کو فوت ہوئی۔

○

واحد علی شاہ کی تخت نشینی ۱۲۶۳ھ م ۱۸۴۷ء میں ہوئی اس کے

دو سال بھی یعنی ۱۲۶۵ھ میں کتاب پری خانہ تصنیف ہوئی اس دوران میں بے شمار ملکی و سیاسی حالات ایسے پیدا ہوئے جن کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امور ریاست سے متعلق اس کتاب میں ایک لفظ بھی نہیں اگر ضمناً کوئی ایسی بات ضبط تحریر میں آ گئی ہے تو وہ اتنی اہم نہ ہوگی کہ ہم اس سے تاریخی مواد کا کام لے سکیں۔

تخت نشینی کے پہلے ہی سال یعنی ۱۸۴۷ء میں لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل لکھنؤ آ کر واجد علی شاہ کے شاہی مہمان ہوئے تھے۔ ان کے لکھنؤ آنے سے قبل استقبال کے لئے واجد علی شاہ کانپور تک بڑے شاہانہ کروفر کے ساتھ گئے۔ ان کے کانپور تک جانے اور لارڈ ہارڈنگ سے ملاقات کرنے کے تمام واقعات تواریخ اودھ (جلد پنجم) اور مولانا عبد الحلیم شرر مرحوم کے دیباچہ "حزن اختر" میں پڑھنے کے لائق ہیں واجد علی شاہ کا یہ وہ زمانہ تھا، جبکہ وہ اپنی بیگموں کی بیوفائی اور ناروا سلوک کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ پری خانہ میں ان کے سفر کانپور کا ضمناً یوں ذکر ملتا ہے:۔

> "چند روز بعد قیصر بیگم صاحبہ کی سفارش پر میں نے حضرت بیگم صاحبہ کا قصور معاف کیا اور انہیں رتبۂ اعلیٰ پہ سرفراز کیا۔ اسی دوران میں لارڈ صاحب کی ملاقات کے لئے کانپور کا سفر اختیار کیا، تمام محلات روزانہ میری خیریت معلوم کرواتی تھیں لیکن نئی بیگمات میں سے ایک نے بھی مجھے نہیں پوچھا۔"

کانپور سے واپسی کے چار دن بعد لارڈ ہارڈنگ لکھنؤ آئے اس موقع پر بڑی شاندار ضیافتیں ہوئیں اور سارے شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا واجد علی شاہ اور لارڈ ہارڈنگ میں ریاست کے نظم و نسق اور داخلی امور

پر بڑی اہم بات چیت ہوئی لیکن پری خانہ میں اس واقعہ کا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔

یہ چند ایک ایسے واقعات ہیں جن کی وجہ سے یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ دراصل واجد علی شاہ کو ریاست اور امور ریاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ صرف ناچ گانے اور پریوں اور بیگموں کے ناز و اغماض میں کھوئے ہوئے تھے۔ لیکن میرے خیال میں ایسا قیاس کرنا واجد علی شاہ کے ساتھ سخت ناانصافی ہوگی "پری خانہ" ان کی صرف نجی زندگی سے متعلق تصنیف تھی اور اس میں بھی اس کا ایک خاص موضوع تھا اس لئے اگر اس میں ادھر ادھر کے واقعات بھی درج ہو جاتے تو شاید اس کی اب جو خصوصیت ہے وہ باقی نہ رہتی اور یہ کتاب مختلف واقعات کا مجموعہ ہو کر رہ جاتی مصنف کا تو یہ کمال ہے کہ اس نے کتاب کو جس موضوع کے لئے مخصوص کیا ہے آخر تک اسکو برقرار رکھنے کی سعی کی ہے اس کے ساتھ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "پری خانہ" واجد علی شاہ کی سوانح عمری کا ایک ایسا دلچسپ باب ہے جس کو سوائے واجد علی شاہ کے کوئی اور اتنی عمدگی سے تحریر نہ کر سکتا تھا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جلبنی مریض کی داستان ہجر و وصال ہے جو بادشاہ ہونے کے باوجود حالات و خواہشات کا غلام اور ایک مجبور و بے بس انسان ہے یہ ہرگز محسوس نہیں ہوتا کہ ہم ایک تخت و تاج کے مالک کی تحریر پڑھ رہے ہیں اس لحاظ سے واجد علی شاہ اختر کی یہ تصنیف بڑی اہم ہے اور ان کے کردار کے بہت سارے پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔

شاہ اودھ کی بیگمات و محلات کی ایک بڑی تعداد ہے اور انکے القاب

خطابات بھی اتنے پرشکوہ ہیں کہ وہ معزز و ممتاز خاندانوں کی خواتین معلوم ہوتی ہیں لیکن غالباً "پری خانہ" ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے ذریعہ سے ان بیگمات و محلات کے صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں۔

مثنوی "حزن اختر" میں جن بیگمات کا تذکرہ ملتا ہے ان میں سے بیشتر کے نام "پری خانہ" میں بھی ملتے ہیں اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان میں زیادہ تر اپنی سابقہ زندگی میں شاہدانِ بازاری تھیں۔

توقع ہے کہ واجد علی شاہ اختر کی اس یادگار تصنیف کے ترجمہ کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

تحسین سروری

پہلا باب

معلوم ہونا چاہیئے کہ خداوند عالم نے ہر آدمی کو عشق کی لذت عنایت فرمائی ہے اور ہر ذی روح کو اس گلشن ہمیشہ بہار میں نشو ونما بخشی ہے۔ چنانچہ میرا خمیر بھی اسی آب گل سے اٹھا ہے اور یہ دردِ جگر روزِ ازل سے میرے حصہ میں آیا ہے۔ لہٰذا میں اپنی داستانِ عشق و محبت جو اوائل عمر سے اس وقت تک گزری ہے تحریر کر رہا ہوں اس وقت میری عمر کا چھبیسواں سال شروع ہے اور میں اس دشتِ پُر فضا کی بہت کچھ سیریں کر چکا ہوں ؎

تصویرِ یار دل میں ہے گو منہ پہ وہ نہیں
اختر خدا کا شکر صنم خانہ رہ گیا

۱

رحیمن

جب میری عمر آٹھ برس کی تھی۔ رحیمن نام کی ایک عورت میری خدمت کے لئے مامور کی گئی۔ رحیمن کی عمر کوئی پینتالیس سال کی تھی۔ وہ ہر وقت میری خدمت میں حاضر رہتی ...... ایک دن جب کہ میں سو رہا تھا اس نے مجھ پر قابو پا لیا اور مجھے چھیڑنے لگی۔ چونکہ میں ابھی بچہ تھا۔ اس لئے میں نے مارے ڈر کے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن اس عورت نے مجھے روک لیا اور یہ کہہ کر ڈرایا کہ میرے استاد اور اتالیق سے مجھے سزا دلائے گی میں پریشان تھا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا اس روز کے بعد سے اس کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کیا کرتی۔

میں جب دس برس کا ہو گیا تب بھی رحیمن کا دستور اسی طرح جاری تھا اس کے بعد خدا جانے وہ کہاں چلی گئی مجھے کچھ یاد نہیں۔

چونکہ شروع سے عشق کے معاملات سے مجھے رغبت رہی ہے اس لئے اکثر عاشقان صادق کے حال پر میں افسوس کرتا ہوں اور بے رحم معشوقوں کو برا بھلا کہتا ہوں۔

۲

امیرن

اسی زمانے میں جناب معظمہ و مکرمہ والدہ صاحبہ مدظلہا العالی کی خدمت میں امیرن نام کی ایک عورت ملازم تھی اسکی عمر پینتیس چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ گندمی رنگ چھریرا بدن

اس کی بائیں آنکھ کی پتلی میں سفید تل تھا۔ وہ ہمیشہ رنگدار کپڑے پہنے رہتی تھی تاکہ دیکھنے والوں کو خوبصورت معلوم ہو۔ یہ عورت چال چلن کی اچھی نہ تھی اکثر مردوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کر کے ناز و غمزہ کے کرتب دکھانا اسے خوب آتا تھا ہمیشہ وہ چار روپے مشاہرہ پر نوکری کرتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود عیش و عشرت کی زندگی گزارتی تھی دراصل کچھ ناجائز آمدنی سے اپنی آرائش و زیبائش کا خرچ پورا کرتی تھی۔

ایک روز میرے سارے عزیز نصیر الدین حیدر بادشاہ خلد منزل کے ہاں منا جان کے ختنہ کی تقریب میں گئے ہوئے تھے۔ جب دیکھا کہ سارا گھر خالی ہے اس عورت نے جبکہ میں بستر پر محوِ خواب تھا رات کے وقت میرے نزدیک آکر مجھے اپنے ہاتھوں سے دبایا۔ میری طبیعت بھی پہلے سے اس کی طرف کچھ مائل تھی اس لئے اس کی اس بے تکلفانہ حرکت پر مجھے غصہ نہ آیا بلکہ اپنے کو محوِ خواب ظاہر کیا، تاکہ اس کے جذبات ٹھنڈے نہ پڑ جائیں۔ اس طرح میں دل ہی دل میں اس کے دلی جوش اور ولولوں کا لطف اٹھاتا رہا، اگرچہ میں اس وقت اس کے بےجا ناز نخروں کو خاطر میں نہ لایا۔ لیکن گیارہ برس کی عمر تک وہ میری مرکز خیال بنی رہی۔

۳

بنو صاحب

جب میری عمر گیارہ برس کی ہوئی تو میں ہر حسین عورت کو محبت بھرے جذبات سے دیکھتا اور کوشش کرتا کہ وہ میرے مطلب کو سمجھے اس طرح میں اپنی ہر منظور نظر عورت کی دلستاں اداؤں سے لطف اندوز ہوتا۔ اسی زمانہ میں ایک عورت مسمی بنو صاحب جس کا باپ حبشی تھا اور اس کا نام غالباً شیدی سلطان تھا اور ماں ہندوستانی تھی میری والدۂ ماجدۂ

کے یہاں مغلانی کے عہدہ پر مامور تھی یہ عورت شادی شدہ تھی اور اس کے میاں کا نام مرزا جان تھا میں چند وجوں سے اس کے دامِ محبت میں گرفتار تھا اور اس کے وصل کا خیال دل میں سمایا ہوا تھا۔ لیکن یہ ایک امرِ محال تھا۔

چونکہ وہ عورت فہمیدہ اور عصمت مآب تھی اس لئے بڑی ترکیب سے مجھے خوش کرکے ٹال دیتی۔ آخر کار میں نے اسے دوگانہ کے لفظ سے ملقب کیا اور ہر روز محض تعلق خاطر کی بنا پر اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا اور اپنا دل بہلایا کرتا اور اس ارتباط و رسم و راہ دوستی کا مقصد بے لوث محبت کے سوائے کچھ نہ تھا۔

بنو صاحب کی عمر تئیس یا اس سے کچھ ہی زیادہ تھی، سیاہ فام، میانہ قد، سڈول جسم ہونٹ اور دانت خوبصورت بھوؤں کے بال کسی قدر کم آنکھوں میں شرارت آمیز شوخی ستواں ناک سر کے بال کسی قدر گھونگھریالے ہاتھ اور پاؤں متناسب اور انگلیاں نرم تھیں۔ وہ کسی قدر پڑھی لکھی بھی تھی۔ قرآن شریف اور اردو کی آسان کتابیں بے رکے پڑھ سکتی تھی سینے پرونے میں طاق تھی۔ گنجفہ[1] کھیلنا بھی جانتی تھی۔ اسکے ساتھ ہی صاحب عصمت بھی تھی۔

جناب والدہ معظمہ و مکرمہ کی وہ بہترین رفیق تھی اس کا ایک بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ بھائی کا نام شیدی احمد تھا جس کے پاس اب وزیرن نام کی طوائف ہے جو قبل ازیں نصیر الدین حیدر بادشاہ کے ہاں گانے والیوں میں نوکر تھی اور مجھ سے کبھی اسکی ملاقات تھی لیکن اب شیدی احمد کے گھر پڑی ہے اور اس سے کچھ ناراض بھی رہتی ہے۔

مختصر یہ کہ بنو صاحب کی چار بہنوں میں سے ایک کا نام حاجی خانم تھا جو کہ بنو صاحب سے چھوٹی اور شادی شدہ تھی وہ ایک دن مہمان کی حیثیت سے اپنی بہن بنو صاحب کے ہاں جناب والدہ صاحبہ معظمہ کے مکان میں آئی ہوئی تھی۔

---

[1] ایک کھیل جو تاش کی طرح کھیلا جاتا ہے

۴

حاجی خانم

برسات کا موسم اور ساون کا مہینہ تھا میں اپنی دادی مریم مکانی کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک عورت جس کی عمر بائیس برس کی تھی صورت سے شوخ و طرار معلوم ہوتی تھی قد کسی قدر دراز انگ انگ خوبصورت بھوؤں کے بال ہلکے بڑی بڑی اور رسیلی آنکھیں نازک کمر۔ آنکھوں کی تپلیاں سبزی مائل اور ان میں سرمہ۔ لب و دنداں دل آویز ہاتھ پاؤں متناسب۔ سر کے بال گھونگھر والے لبوں پر مسی کی دھڑی۔ ہاتھوں میں مہندی کا رنگ رچا ہوا۔ کانوں میں زمرد کے بندے، جن کی روشنی کی جھلک اس کے صاف و شفاف رخساروں پر پڑ کر ایک عجیب سامان تفریح فراہم کر رہی تھی وہ سراسر عطر میں بسی ہوئی تھی جس کی مہک سے مشام جاں کو تازگی حاصل ہوتی تھی پانچ سال کی عمر کے ایک بچے کو گود میں لئے ہوئے ایک خاص دلبرانہ انداز سے وہ آئی اور دادی صاحبہ کو ادب سے جھک کر سلام کیا۔

میں نے پہلی ہی نظر میں اس کے عشق کا تیر دل پر کھایا اور اسی وقت میرا سینہ الفت کی آگ سے یوں جلنے لگا جیسے حمام لکڑیوں کی آگ سے جلتا ہے صبر کا یارا نہیں رہا شکیب کی طاقت سلب ہو گئی یہاں تک کہ ہنوز صاحب کی یاد بھی دل سے محو ہو گئی حقیقت یہ ہے کہ میں اس گل بہار آفریں کا دل سے شیدا ہو گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا یا اللہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں اس حور شمائل اور پری پیکر کے گلشن شباب کا طائر ہزار داستاں ہوتا۔

چونکہ میرے سارے لغزانی پینے کی وجہ سے اسیر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔

اس لئے میرا کچھ بس نہ چلا۔ میں تو صرف اس کے جمال جہاں آرا کی دور ہی سے
زیارت کرتا رہا۔

اسی طرح رات گزری اور دن نکل آیا لیکن بے بسی کا وہی عالم تھا چونکہ میں
اسرار عشق سے واقف نہ تھا اس لئے اندر ہی اندر میری حالت خراب ہو رہی تھی۔ لیکن
میں نے اپنے اس دردِ نہاں کا کسی کو علم بھی نہ ہونے دیا آخرکار کچھ دنوں بعد حاجی خانم
میرے حالِ زار سے آگاہ ہو گئی اور میری بے غرض محبت اس کے دل میں بھی
جاگزیں ہو گئی۔

حاجی خانم کی ایک آتو[1] ماہی خانم نام کی تھی جو بے حد بدشکل عورت تھی اس
کی عمر چالیس سال بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی تھی اور اس عورت نے میری بہن کو
پڑھایا تھا اس کو حاجی خانم کے سلسلہ میں پیغامبر مقرر کیا۔ جس کی وجہ سے حاجی خانم
کے تمام تفصیلی حالات معلوم ہوئے مگر ماہی خانم کو خود اپنے بارے میں خوش فہمی تھی
اس درجہ بدصورت تھی۔ خود کو شکل و صورت کے معاملہ میں یکتائے روزگار سمجھتی
تھی چنانچہ اس نے اس کا بھی کچھ خیال نہیں کیا کہ وہ حاجی خانم کی استانی ہے اور ہماری
ہمراز ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے محبوب پر کمند عشق ڈالنے لگی۔ لیکن میں
اس کے کسی فریب میں نہ آیا۔

میں اور حاجی خانم دکھاوے کے طور پر اس کی خاطر داری اور تواضع و توقیر میں
کوتاہی سے کام نہ لیتے اور وہ شیطان کی خالہ اپنے دل میں یہ سمجھے ہوئے تھی کہ میں
فی الواقع اس کے تیر ادا کا گھائل ہوں اور اس کی فرقت میں رات دن ماہیٔ بے آب
کی طرح تڑپتا رہتا ہوں لیکن وہ اس بات سے باخبر نہ تھی کہ ع

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

میں اپنے بزرگوں کا بڑا لحاظ کرتا تھا خاص کر اس قسم کے معاملات میں احتیاط

---

[1] استانی

سے کام لیتا تھا یہی وجہ ہے کہ ان امور میں اماجی خانم ایک موزوں عورت معلوم ہوئی۔ لہذا میں نے اور حاجی خانم نے مجبوراً اس بدشکل و بدنہاد عورت کی بیجا اطاعت کو اپنا شیوہ بنا لیا۔

بعض اوقات یہ بدخو عورت کہا کرتی کہ میں حاجی خانم کی دوست اور رازدار ہوں۔ اس لئے میرا لحاظ کیا کرو۔ تم دونوں شرابِ عشق کے متوالے میری فرمانبرداری کے بغیر اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ الغرض ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں حاجی خانم کی محبت کی آگ سے میرا سینہ نہ پھنکا جاتا ہو وہ بھی مجھ پر بری طرح گرویدہ تھی۔ عموماً ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ جب اپنے گھر جاتی تو میری جدائی کے غم میں رات دن روتی رہتی۔ ادھر میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہو جاتا۔ لیکن مفارقت کا یہ رنج مجھے زیادہ نہ کھینچنا پڑتا تھا۔ اس لئے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے گھر سے جلدی واپس آجاتی۔

ہم دونوں لیلیٰ مجنوں جب کسی جگہ بیٹھتے تو آپس میں بڑی پر لطف گفتگو ہوتی اور پیار محبت کی باتوں سے اپنے دل بہلایا کرتے لیکن جس طرح حاجی خانم کی باتوں میں شیرینی ہوتی اسی طرح بعض وقت وہ تلخ کلامی پہ بھی اتر آتی تھی جس سے میرے دل کو ٹھیس پہنچتی کبھی کبھی وہ اپنے شوہر کا بھی ذکر کرتی اس موقع پر میں رنجیدہ ہو جاتا۔ لیکن اس کیفیت کو دیکھ کر روئے سخن بدل دیتی اور خلوص و محبت کی باتیں کر کے میرے دل کا غبار دور کر دیتی۔

بو صاحب کے پاس ایک لونڈی الٰہی خانم نام کی تھی جو حاجی خانم کی بھاوج یعنی شیدی احمد کی حرم تھی اتفاق کی بات ہے کہ اس زمانہ میں وہ بھی مجھ پر فریفتہ تھی..... مختصر یہ کہ تیرہ چودہ برس کی عمر تک حاجی خانم سے مجھے بے داغ محبت رہی۔ چونکہ وہ شوہر والی عورت تھی اور اس کا گھر فیض آباد میں تھا اس لئے ہمارے

ہاں وہ زیادہ دن نہ ٹھہر سکی جب وہ اپنے گھر جانے لگی تو اس نے مجھے ایک انگوٹھی اور ہاتھی دانت کی دو چار کنگھیاں دیں تاکہ میں نشانی کے طور پر رکھوں، چنانچہ میں نے اسکی یہ نشانیاں بادل ناخواستہ قبول کیں اور اسے خدا کی امان میں دیکر رخصت کیا۔

۵

شادی

جب میں پندرہ برس کا ہوا تو میرے والدین کو میری شادی کی سوجھی کافی سوچ بچار کے بعد تجویز یہ قرار پائی کہ دختر منیرالدولہ بہادر (جن کا اس وقت تاجدار بہو خطاب ہے اور میرے بھائی مرزا اسکندر حشمت بہادر کی بیوی اور میری چچی کی بیٹی اور میری نسبتی ہمشیرہ ہیں) سے نسبت قرار پائے۔ لیکن کسی وجہ سے میں نے یہ رشتہ منظور نہ کیا۔

بعد ازاں سیف الدولہ بہادر کی لڑکی (سیف الدولہ گونڈہ بہرائچ کے چکلہ دار تھے) پر نظر انتخاب پڑی اور بات چیت بھی مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ شادی معرض التوا میں پڑی رہی۔

اس کے بعد میری ایک رشتہ کی چچی وزیر صاحبہ بنت کلن کی دختر سے شادی قرار پائی (وزیر صاحبہ میری والدہ ماجدہ کی نسبتی بہن ہیں اور اب تک زندہ ہیں) وزیر صاحبہ نے دل سے یہ پیغام قبول کیا لیکن ان کی لڑکی کو کوڑھ تھا اور انہوں نے ہم لوگوں سے یہ عیب چھپائے رکھا تھا، غرضیکہ یہ رشتہ بھی ختم ہو گیا۔

آخرکار جانی خانم کے توسط سے جو کہ میری دادی انجم النساء بیگم کی منہ بولی بیٹی اور ان دنوں مشاطہ کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھیں نواب علی نقی خاں مرحوم

کی دختر نیک اختر سے نسبت کا پیغام دیا گیا۔ چونکہ یہ بڑا معزز خاندان تھا اس لئے مجھے بھی یہ رشتہ پسند آیا اور میرے والدین بھی اس رشتہ سے بہت خوش ہوئے اور پندرہ شعبان المعظم ۱۲۵۳ھ کو مانجھے کی رسم ادا کی گئی۔ لیکن شاید خدا کو یہی منظور تھا کہ میرے ہونے والی بیوی کی چچی سلطان بیگم کا انتقال ہو گیا اور ادھر میرے عم محترم اصغر علی خاں ناصر الدولہ بہادر خلف اکبر حضرت فردوس منزل و والد بزرگوار ممتاز الدولہ بہادر وفات پا گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری تقریب کتخدائی تاریخ معینہ پر نہ ہو سکی اور کامل دو ماہ تک مانجھے کے کپڑوں میں لپٹا رہا جو زیادہ دن گزرنے کی وجہ سے میلے اور گندے ہو چکے تھے اللہ اللہ کرکے دو ماہ گزرے اس کے بعد رواج کے مطابق رسوم ادا ہوئے اور میرا عقد ہو گیا جس میں شان و شوکت کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا۔

مجھ میں اور میری منکوحہ بیوی میں شروع کے پانچ مہینے تک محبت کا وہ ارتباط قائم رہا جو میاں بیوی میں ہوتا ہے۔

٦

حضرت فردوس منزل کی تخت نشینی

میری شادی ہو کر ابھی پانچ ہی ماہ گزرے تھے کہ نصیر الدین حیدر بہادر نے اس دنیائے فانی سے منہ موڑ کے عالم بقا کی راہ لی۔ اس کے بعد میرے دادا نصیر الدولہ بہادر فردوس منزل نے تخت نشین ہو کر عنان حکومت سنبھالی اور ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مطابق انعام و خطاب مرحمت فرمایا اور میرے والد محترم حضرت جنت مکاں کو ولی عہدی کا خلعت سرفراز فرمایا۔ ہر چھوٹے بڑے کی معقول تنخواہوں سے

عزت بڑھائی۔ لیکن مجھے اور میری زوجہ کو اپنی عنایت سے مفتخر نہ فرمایا۔

میرا مشاہرہ مقرر نہ ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت فردوس منزل مغفور بڑے عاقل اور زیرک آدمی تھے۔ انہوں نے یہ سوچا کہ حضرت جنت مکاں کے بعد میں ہی ریاست کو سنبھالنے کا اہل ہوں۔ غالباً اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تخت نشینی کے وقت مجھے اپنا مورد عنایات بنانا پسند نہ کیا بس یہی ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔

یہ خیال دیکھ کر میرے والد ماجد ولی عہد بہادر ثریا جاہ حضرت جنت مکاں نے اپنی جیب خاص سے میرا پانچ سو روپے اور میری بیوی کا چار سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا اس خیال سے کہ میں کہیں افسردہ خاطر نہ ہو جاؤں۔

اس دوران میں، میں اپنے محل کی نوکرانیوں اور خادماؤں سے چھپ چھپ کر ہنسی مذاق کیا کرتا تھا۔ لیکن میری یہ حرکت میری بیوی کو ناگوار ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے چند نوکرانیوں کو نکال دیا اور میری نگرانی کے لئے معقول انتظام کیا لیکن میں اپنی شوخیٔ طبع سے مجبور تھا دن رات اسی قسم کے خیالات میں مستغرق رہتا تھا۔

۷

مرزا نوشیرواں قدر بہادر کی پیدائش

والد ماجد حضرت جنت مکاں کی ولی عہدی کا زمانہ گزر کر ایک سال ہوا اس اثنا میں میرے ہاں نواب اعظم بہو صاحبہ کے بطن سے ایک فرزند ارجمند تولد ہوا جس کا نام مرزا نوشیرواں قدر بہادر رہے۔ میرے جد اعلیٰ حضرت فردوس منزل اس خبر فرحت اثر کو سماعت فرما کر بہت خوش ہوئے اس خوشی میں مجھے اعلیٰ خلعت عنایت کیا اور ناظم الدولہ فخر الملک محمد واجد علی خاں بہادر صولت جنگ کے خطاب

دیئے اور میرے فرزند کو مرزا نوشیرواں قدر بہادر کے نام سے ملقب کیا۔

میرے فرزند دلبند کو چونکہ مرزا نوشیرواں قدر بہادر کا خطاب ملا تھا اس لئے اس کے دو تین ماہ بعد میرا خطاب بدل کر مرزا خورشید حشمت محمد واجد علی کے نام سے مخاطب فرمایا۔

۸

مرزا فلک قدر بہادر کی پیدائش

مرزا نوشیرواں قدر بہادر کے پیدا ہونے کے بعد ۱۲۵۵ھ میں فرزند دوئم محل سابقہ کے بطن سے تولد ہوا جس کا نام میرے جد امجد نے مرزا فلک قدر بہادر تجویز فرمایا، اس وقت میری عمر سترہ برس تھی۔

چونکہ ابھی میرے عنفوان شباب کا زمانہ تھا اور مجھ میں جوانی کا جوش وخروش اور طبیعت پرشور تھی۔ اس لئے مجھ میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شباب کا یہ عہد خوبصورت وخوش جمال عورتوں کی معیت میں گزاروں۔ لیکن کچھ ایسی رکاوٹیں تھیں کہ میں آزادانہ طور پر اپنی خواہشات کو پورا نہ کرسکتا تھا۔ آخر میں نے یہ ترکیب سوچی کہ میں تسکین قلب کے لئے عورتوں کو خادماؤں کی حیثیت سے ملازم رکھ کر خفیہ طور پر ان سے عشق ومحبت کے مراسم بڑھاؤں۔ اس راحت افزا تجویز سے دل بے قرار قابو میں آیا۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر میں نے موتی خانم نام کی ایک عورت کو نوکر رکھا۔ چھریرا بدن گندمی رنگ۔ بڑی اور خوبصورت آنکھیں۔ لمبی بھنویں۔ طبیعت میں چالاکی مزاج میں گرمی۔ اس کی آنکھوں پر کچھ کچھ چیچک کے داغ تھے وہ عورت قبل ازیں مرزا نصیر الدین حیدر مرحوم کے ہاں حلبہ والیوں میں ملازم رہ چکی تھی۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کہ میں نے موتی خانم کو اپنے آرام اور اپنے دل کی مرادیں پوری کرنے کی خاطر ملازم رکھا تھا۔ لیکن میرا یہ عمل میرے محل کو سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے بڑا اودھم مچایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موتی خانم اپنی ملازمت سے برطرف کردی گئی اور میں جناب والد صاحب قبلہ کا معتوب ہو کر نظر بند کر دیا گیا۔

۹

موتی خانم سے محبّت

اس واقعہ کے بعد میں گوشہ نشین ہو گیا اور اپنی طبیعت کو شعر و شاعری کی طرف راغب کیا۔ اس کے باوجود دل کا غبار دور نہ ہوتا تھا۔ جناب والد صاحب قبلہ کی برہمی سے زندگی بے مزہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔

جب میرا حال والد صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی زبان سے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس عورت کو بلا کر میرے حوالہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ شرط بھی رکھی کہ وہ اس گھر میں نہیں رہ سکے گی۔ بلکہ کسی اور گھر میں اتاری جائے اور وہ کبھی میرے سلام کو حاضر نہ ہوا کرے ..... میں نے چونکہ یہ کہہ رکھا تھا کہ جب تک موتی خانم مجھے واپس نہ ملے گی میں کھانا پینا حرام سمجھوں گا۔ میرے خیال میں یہ حکم عالی اسی لئے سنایا گیا ہوگا۔

جیسے ہی حکم عالی نافذ ہوا موتی خانم کو میری خدمت میں حاضر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ ماں باپ کی اطاعت کو دنیا کے جملہ امور سے افضل قرار دیا ہے اس لئے میں نے اس عورت کو علیحدہ کر دیا اور حضرت قبلہ کی خدمت اقدس میں عرضداشت پیش کی کہ یہ بندۂ بے دام بطور فرمان واجب الاذعان آپ کا تابع ہے

اور یہ میری مجال نہیں کہ میں آپ کی رضا مندی کے خلاف کوئی اقدام کروں۔
میری عرض سماعت فرمانے کے بعد ارشادِ عالی ہوا کہ تم موتی خانم کو خوشی سے الگ کر سکتے ہو۔

اس کے بعد میں نے موتی خانم کو اپنے سے جدا کر دیا۔ اس دن کے بعد سے کبھی بھول کر بھی میں نے اس عورت کا خیال نہ کیا۔ اگرچہ والد صاحب مرحوم داخل جنت ہو چکے ہیں اور ان کے بعد میں ریاست کا خود مختار بادشاہ ہوا اور جو میرا جی چاہے وہ کر سکتا تھا۔ لیکن جو وعدہ کر چکا تھا اس کو پورا کرنا ہے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ میری عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی اسی زمانے میں مجھے فن شعر کا شوق ہوا اور اس عورت یعنی موتی خانم کی محبت میں غزلوں کے دو دیوان مرتب کئے اور تین مثنویات موزوں کیں۔ لیکن اپنے دل کی بے چینی کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آتش غم میں میں اتنا جلا کیا کہ محض جان نام کو رہ گئی تھی ۔ ۔ ۔ اس پُر الم واقعہ کے بعد میں نے اپنے محل کی طرف کبھی التفات نہ کیا جس کا انہیں بڑا رنج ہوا کئی بار انہوں نے فکرمند ہو کر میرا حال پوچھا اور میری بے التفاتی کا سبب دریافت کیا لیکن میں بالکل خاموش رہا اور ان کی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔

چونکہ وہ بڑی زیرک اور فہمیدہ عورت واقع ہوئی ہیں۔ اصل بات کی تہہ کو پہنچ گئیں اور یہ سمجھ گئیں کہ یہ سب کچھ خود انہیں کی حرکتوں کا نتیجہ ہے اس کے ساتھ ہی انہیں محسوس ہوا کہ مجھے خوش رکھے بغیر یا میری مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر خوش و خرم زندگی گزارنا محال ہے۔ چنانچہ مجھ سے خوشامدانہ انداز میں کہنے لگیں کہ اگر آپ کو میری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو مجھے اس کا افسوس ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ہر طرح آپ کی رازدار رہوں گی۔ آپ

آپ کا جس کسی پر بھی دل آئے اس سے عشق کیجئے میں ہرگز مزاحم نہ ہوں گی چونکہ یہ عین میرے مطلب کی بات تھی لہذا میں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو مناسب ہے۔

۱۰

مرزا کیوان قدر بہادر

میرے محل کے بطن سے اسی زمانے میں میرا فرزند سوم متولد ہوا۔ (جو اس وقت منصب ولی عہدی پر فائز المرام ہے) میرے جدامجد حضرت فردوس منزل نے دیکھا تو بہت مسرور ہوئے اور مرزا کیوان قدر بہادر خطاب مرحمت فرمایا۔

۱۱

صاحب خانم سے عشق

اسی زمانہ میں ایک گانے والی عورت مسمی صاحب خانم جو جناب قبلہ و الدماجد حضرت ثریا جاہ جنت مکان کے ہاں ملازم اور شادی شدہ تھی۔ اس عورت پر میری نظر پڑی، اس کی عمر کوئی بتیس یا کچھ زیادہ کی تھی۔ سرخ و سفید رنگ، البتہ قد کشادہ دہن، چشم و ابرو جاذب توجہ، ہر وقت سر کے بال کھلے رہتے تھے جو اس کے شانوں پر پڑے رہتے تھے (یہ اس کی ایک ادائے خاص تھی) بہت عمدہ گاتی بجاتی تھی۔ اور گنجفہ بھی خوب کھیلتی تھی۔ وہ دو یا تین لڑکیوں کی ماں تھی۔

صاحب خانم سے مجھے عشق ہو گیا اور ادھر وہ بھی میرے عشق میں مبتلا ہو گئی۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ میری صورت کو دیکھے بغیر کبھی رات کو سو نہ سکتی تھی ہمہ وقت میرے ہی پاس بیٹھی ہوئی تاش کھیلتی رہتی یا گانے بجانے وغیرہ میں وقت گزار دیتی۔ میری تازہ ترین غزلیں بڑے شوق سے گایا کرتی تھی۔ ان میں سے ایک غزل کا مطلع ہے سے

پڑا ہے پاؤں میں اب سلسلہ محبت کا
برا ہمارا ہوا ہو بھلا محبت کا

میں روزانہ اسے روپیہ دو روپے دیا کرتا تھا جو کہ وہ دل سے قبول کرتی تھی میرے لئے پان کے بیڑے بنایا کرتی تھی۔ اتفاق سے اگر میں کچھ دیر کے لئے اسے دکھائی نہ دیتا تو وہ بیتاب ہو جاتی اور ہر طرف میری تلاش میں دوڑی پھرتی میں کبھی باہر ہوتا تو دروازہ کے روزن سے مجھے پہروں دیکھتی رہتی۔ کبھی کوٹھے پر چڑھ کر مجھ سے آنکھیں لڑایا کرتی تھی۔ مختصر یہ کہ مجھے دیکھے بغیر ایک لحظہ بھی وہ گزار نہ سکتی تھی۔

اگرچہ میرے محل کو میرے اور صاحب خانم کے باہمی عشق و محبت کی خبر تھی لیکن ہندی کی اس کہاوت کے بہ مصداق کچھ نہ کہہ سکتی تھیں۔

دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیئے

اس طرح وہ راضی بہ رضائے الٰہی ہو کر چکی تھیں بعض وقت تو میری خوشنودی کے لئے صاحب خانم کی تواضع اور مدارات بھی کیا کرتیں۔

صاحب خانم میری محبت میں اس قدر دیوانی ہو گئی کہ ایک روز اس نے میرے ستار کی سندری کھول کر آگ میں گرم کی جب وہ انگارہ سی سرخ ہو گئی تو اپنی بائیں ران کو داغ دیا۔ اس طرح ستار کی سندری اس کی ران کے گوشت میں دھنس گئی اس کے بعد وہ زخم کو مرہم پٹی کرکے بائیں پاؤں سے لنگڑاتی ہوئی میرے پاس آئی۔

جب میں نے دیکھا کہ صاحب خانم لنگڑاتی ہوئی آرہی ہے تو میں پریشان سا ہو گیا کہ یا خدا اس کو یہ کیا ہو گیا ہے جب وہ میرے قریب آئی تو بڑے درد انگیز لہجہ میں کہنے لگی افسوس مجھے آپ نے مرہم بھی عنایت نہ فرمایا۔ میں نے کہا تمہیں مرہم کی ضرورت کیوں پیش آئی اس پر اس نے جواب دیا کہ میں اپنی ران کے زخم پر لگانے کے لئے مانگ رہی ہوں آپ اگر نامناسب نہ سمجھیں تو ذرا سا مرہم عنایت فرمائیں، تاکہ میرا زخم مندمل ہو جائے میں نے تجسس اور تحیر کی نظر سے دیکھا تو واقعی اس کی بائیں ران میں گہرا زخم تھا جس سے اس کی بات کا یقین ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد ہم دونوں کا ربط محبت لیلیٰ مجنوں کی طرح قائم ہو گیا یہ سلسلہ ایک سال تک رہا۔

۱۲

مرتضیٰ بیگم کی ولادت اور وفات

جب میری عمر انیس برس کی ہوئی میری زوجہ کے بطن سے پہلی لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مرتضیٰ بیگم تجویز کیا گیا تھا لیکن خدا کی مرضی ہی ایسی تھی کہ وہ صرف چالیس دن جی کر رحلت کر گئی۔ انہیں دنوں کی بات ہے کہ جناب قبلہ والد صاحب حضرت ثریا جاہ نواب امجد علی شاہ تخت نشین سلطنت ہوئے۔ صاحب خانم سے میرے ربط محبت کا بھی یہی زمانہ تھا۔

جب میرے محل کو میرے اور صاحب خانم کے ربط وضبط کی خبر ہوئی تو ایک دن مجھ سے پوچھا کہ آپ کا موجودہ شغل عشق آپ کے حسب مرضی ہوا یا نہیں؟ میں نے جواب دیا تمہیں دوسروں کے معاملات سے کیا تعلق میری قسمت میں جو کچھ ہے وہی ہو گا۔ البتہ میں اس وقت تمہارا احسان مند ہوتا جبکہ تم کسی عورت کو

میری ملاقات کے لئے منتخب کرتی۔ میری بیوی بے حد عقل مند اور مزاج شناس عورت ہے لہذا وہ فوراً اس نتیجہ پر پہنچ گئیں کہ اب میری اطاعت و رضا کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً دوسری عورتوں کو ملازمت کے لئے ملانا شروع کر دیا۔

۱۳

عمدہ بیگم سے عشق

میرے محل کے ہاں عمدہ بیگم نام کی ایک عورت آ کر ملازم ہوئی یہ بڑی اچھی خاتون تھیں ان کی عمر کوئی ۲۷ سال کی تھی۔ گورا رنگ، تناسب اعضا، تاش کھیلنے میں ماہر تھیں۔

اس سے قبل عمدہ بیگم نصیر الدین حیدر کے پاس آساميوں کے زمرے اور ڈولی والیوں میں ملازم تھیں، پھر نصیر الدین حیدر کے انتقال کے بعد گردش تقدیر نے انہیں ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جب میں نے عمدہ بیگم کو دیکھا وہ مجھے بہت پسند آئیں رفتہ رفتہ انکی محبت نے میرے دل میں جگہ پیدا کر لی۔ انہوں نے بھی میری محبت کا جواب اپنے ناز و اغماض سے دینا شروع کیا۔ پوشیدہ طور پر ان کا عشق مجھ سے کئی گنا زیادہ تھا۔

صاحب خانم اور عمدہ بیگم جب ایک دوسرے کے حال سے واقف ہو گئیں تو دونوں میں رشک و حسد کے جذبات پیدا ہونے لگے اور رات دن ایک دوسرے پہ چوٹیں کیا کرتیں۔ ان کی باہمی منافرت یہاں تک پہنچ گئی کہ مجھے لامحالہ صاحب خانم سے ترک تعلق کرنا پڑا اس کے علاوہ صاحب خانم سے میرے تعلقات اس لئے بھی

مناسب نہ تھے کہ وہ حضرت جنت مکاں کی ملازمان میں سے تھی نیز وہ ایک شادی شدہ عورت تھی جس کا شوہر موجود تھا۔

۱۴

ننھی بیگم

اس وقت حضرت جنت مکاں جناب والد صاحب قبلہ کے یہاں تین بہنیں ملازم تھیں بڑی کا نام حیدری بیگم، منجھلی کا نام محمدی بیگم اور چھوٹی کا نام ننھی بیگم تھا یہ تینوں بہنیں میر انشاء اللہ خاں کی نواسیاں تھیں اور جناب سید الشہدا صلوٰۃ اللہ علیہ کی ذاکرہ تھیں۔ ننھی بیگم کی شکل و صورت ہو بہو ایک عورت سے ملتی جلتی تھی جو بارہ والی سرفراز کے نام سے مشہور تھی۔ سرفراز ایک طوائف تھی جو کہ دیہات کی رہنے والی تھی اور بارہ کی ٹھیکیدار سی تھی۔ میں نے اسے فردوس منزل حضرت محمد علی شاہ بادشاہ کے زمانۂ حکمرانی میں اپنے برادر خورد مرزا اسکندر حشمت بہادر کی تقریب شادی میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً سترہ اٹھارہ برس کی تھی اور میری عمر بھی قریب قریب اتنی ہی ہوگی چونکہ اس زمانہ میں وہ موسیقی میں کافی شہرت رکھتی تھی اور میں بھی بچپن سے رقص و سرود سے کافی دلچسپی رکھتا تھا اس واسطے میں اس کے کمند عشق کا اسیر ہو گیا۔ لیکن نہ اس کے دل میں میری کوئی چاہ ہوئی اور نہ ہی میں اپنے بزرگوں کے ڈر سے اس کے نام کوئی پیغام بھیج سکا۔

مختصر یہ کہ جب حضرت جنت مکاں کے ملازمین میں ننھی بیگم بارہ والی

سرفرازو کی ہم شبیہہ معلوم ہوئی تو مجھے بڑی بھلی لگی۔ لیکن ننھی بگم نے میری اس عنایت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ میرے عشق کو اس نے بازیچۂ اطفال سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دی۔

کبھی مجھے تنہائی کا ایسا موقع مل جاتا جہاں ننھی بیگم بھی موجود ہوتی۔ تو میرے کچھ کہنے سے قبل ہی وہ وہاں سے رفوچکر ہو جاتی اور شرارت سے مجھے کہتی کہ میں دیر سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ فلاں وقت کہاں تھے۔ خیر چھوڑیئے یہ باتیں کسی اور موقع پر ہوں گی۔

عمدہ بیگم کی وجہ سے جب صاحب خانم کو علیحدہ کر دیا گیا تو وہ اپنی نازمانی پر سخت شرمندہ ہوئی۔ دراصل اس سے چند ایسی حرکات سرزد ہوئی تھیں جو میری طبیعت کے عین خلاف تھیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ میں نے متعدد بار اس سے کہا کہ تیری دونوں لڑکیاں میرے پاس بڑی عمدگی سے رہیں گی تو اپنے شوہر سے طلاق لے لے اور میرے محل میں آجا لیکن اس بدبخت نے کوئی دھیان نہ دیا۔ جس کے نتیجہ کے طور میں نے اسے الگ کر دیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار ہی مجھے نظر نہ آیا۔ اس طرح چند اور وجوہ بھی اس کے ترک کرنے کا باعث ہوئے۔ وہ بدبخت عورت ابھی تک جیتی ہے اور میرے ہی ایک محل کے ملازموں میں ہے۔

صاحب خانم سے ترک تعلق کے بعد عمدہ بیگم سے مراسم محبت بہت زیادہ بڑھ گئے تھے لیکن چپکے چپکے میں ننھی بیگم کے تیر عشق کا بھی گھائل تھا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ عمدہ بیگم کا عشق ننھی بیگم پر ظاہر نہ ہو اور ننھی بیگم جو میری مرکز توجہ بن رہی تھی اس کی اطلاع عمدہ بیگم کو نہ ہونے پائے لیکن رموز و کنایات کے بروئے کار آنے کی وجہ سے یہ دونوں ایک دوسرے کو خوب پہچان گئیں۔ ساتھ ہی یہاں

بھی وہی صورت پیش آئی جو صاحب خانم اور عمدہ بیگم کی باہمی رقابت سے پیدا ہوئی تھی. لیکن عمدہ بیگم اس بے پناہ محبت کی وجہ سے زیادہ گڑبڑ نہ کرسکیں جو ان کے ساتھ مجھے تھی. اگرچہ اس دوران میں انہوں نے دو تین مرتبہ اسی جذبۂ رقابت کی بنا پر ملازمت ترک کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا مگر میرے محل نے ان کی درخواست منظور کی نہ انہیں گھر جانے کی اجازت دی۔

دوسرا باب

۱۵

تخت نشینی حضرت جنت مکاں

جناب والد ماجد حضرت جنت مکاں امجد علی شاہ بادشاہ نے آبائی تخت سلطنت پر جلوس اجلال فرمایا۔ میں خدا کے فضل و کرم سے منصب ولی عہدی سے سرفراز ہوا۔ اس کے بعد سے مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ عمدہ بیگم صاحبہ کو محل بنایا جائے عمدہ بیگم نے فرمانبرداری اور میری خدمت گزاری سے میرے دل میں جگہ پیدا کر لی تھی اور ان سے مجھے اس درجہ محبت ہو گئی تھی کہ سوائے ایک پہر سونے اور جناب والد صاحب کی خدمت میں سلام کو حاضر ہونے کے میں ایک لمحہ بھی ان کو دور نہ ہونے دیتا تھا۔ ہم دونوں کا عشق لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کی طرح تھا۔

جب اس عالم میں ننھی بیگم نے مجھے دیکھا تو خدا جانے کس وجہ سے مجھ سے مخاطب ہوئیں اس وقت ان کی یہی تمنا تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح انہیں بھی محل بنا لوں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لالچی تھیں۔ ممکن ہے یہ خیال کیا ہو کہ ایسی دولت مند سرکار ہاتھ سے مفت کیوں جائے۔

ننھی بیگم صاحب عفت و پارسا عورت تھی اس کے ساتھ ہی مرثیہ خواں اور ساتویں امام کی اولاد میں میر انشاء اللہ خاں کی نواسی تھی اس کا رنگ گورا تھا۔

قد موزوں بھویں باریک اور آنکھیں چھوٹی سی تھیں ...... اس کے پہلے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ تین سال کی ایک لڑکی بھی تھی۔ جس کا نام احمدی تھا۔

ننھی بیگم بیوہ ہونے کے بعد میری والدہ صاحبہ کے پاس مرثیہ خوانوں میں ملازم ہوئی آخر کار مجھ سے اپنی محبت جتانے لگی اور اس بات کی آرزو مند ہوئی کہ اسکا مرتبہ بھی عمدہ بیگم کے مرتبہ کو پہنچے مگر عمدہ بیگم کا ستارۂ اقبال چرخ چہارم پر جلوہ افروز تھا لہذا ننھی بیگم کا جادو کارگر نہ ہو سکا۔

عمدہ بیگم سے افزونی محبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خاص محل کے دل میں بھی رقابت کی آگ بھڑکنے لگی اور زمین و آسمان انکی نظروں میں اندھیر ہو گئے۔ لیکن ہندی زبان کی اس مثل کے مطابق۔ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر عقل مندوں کا کام نہیں وہ کچھ نہ کر سکیں۔

ادھر جواہرات اور پشمینہ سے بھری ہوئی کشتیاں، چاندی کے ظروف اور دیگر قیمتی اشیاء عمدہ بیگم صاحبہ کے واسطے تیار کئے جانے لگے پھر میری ولی عہدی کے بعد عمدہ بیگم صاحبہ بیری محل ہو گئیں اور خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحب کے خطاب سے ممتاز ہوئیں ڈیڑھ ماہ تک نواب خورد محل کا ستارۂ تقدیر مہر جہاں تاب کی طرح سپہر اقبال پر روشن رہا اس کے بعد یہ کہاوت صحیح ثابت ہوئی کہ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔ ننھی بیگم جو خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحبہ کی طرف سے اپنے دل میں بغض رکھتی تھی چاہتی تھی کہ میں کسی طرح نواب عمدہ بیگم کے دام محبت سے چھوٹ کر اسے اپنا محل بنا لوں۔ بالآخر میں اس کے مکر کے جادو سے محفوظ نہ رہ سکا اس نے میرا محل بننے کی خواہش میں مختلف حربے استعمال کئے اور مجھے آمادہ کر لیا۔

ایک دن چھتر والے مکان (جو بعد کو چھتر منزل کے نام سے موسوم ہوا) واقع کنارہ دریائے گومتی کے، دریا کی طرف والے برج پر وہ چڑھ گئی۔ اور اس کے

عمدہ اپنے کو دریا میں گرا دینا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ ایسی حرکت میں جہالت و بد دماغی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ نہایت نازیبا حرکت ہے اس سے سوائے اقربا میں رسوائی اور دنیا بھر میں بدنامی کے کچھ حاصل نہ ہوگا اس طرح میں نے اس کو اس خطرناک ارادے سے باز رکھا۔ اسی دوران میں اس کی لڑکی کا انتقال بھی ہو گیا۔

غرضیکہ خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحبہ کے محل ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعد ننھی بیگم کو میں نے محل بنا لیا۔ نشاط محل نواب ننھی بیگم صاحبہ کا انہیں خطاب دیا اور تھوڑے سے زر و جواہر اور کچھ ملبوسات دے کر انہیں عزاز بخشا مگر چند روز تک مشکل سے ان کی حشمت کا ستارہ چمکا۔

۱۶

نگار محل

برسات کا موسم تھا ایک روز آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی ہوا کے مسرت آگیں جھونکے روح میں تازگی پیدا کرتے ہوئے دل و دماغ کو غنچہ شگفتہ کی طرح کھلا رہے تھے۔ طائران سمہ فروش گلستاں کی شاخ شاخ پر بیٹھے ہوئے محو زمزمہ پردازی تھے جن کی پرکشش آواز دل پر عجیب تاثر چھوڑ رہی تھی زرنگار طاؤس ہر طرف رقص میں مصروف تھے۔ ابر پارے باغ کی روشوں پر پانی چھڑکتے ہوئے گزر جاتے تھے محفل عیش و طرب سجی ہوئی تھی۔ میری متوسل جتنی عورتیں تھیں سب کی سب مجھے اپنے حلقہ میں لئے بیٹھی تھیں۔ ناچ گانے کا ایک قیامت خیز ہنگامہ برپا تھا مور چھل بردار مرصع مور چھل ہرے اور جھل رہے تھے۔ ہر شخص پر جوش و سرمستی کا

ایک عجیب عالم طاری تھا۔ بقول شاعر ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

یکایک اس محفل نشاط میں میرے برادرِ خورد جرنیل صاحب مرزا اسکندر حشمت بہادر وارد ہو کر ناچ گانے میں شریک ہوئے کچھ دیر بعد مجھ سے کہا کہ میں نے مجرے کے لئے ایک عورت کو طلب کیا ہے جو حد درجہ حسین ہونے کے علاوہ گانے میں بھی بے مثل ہے میں نے بے چینی سے کہا اگر تم اس کو میرے ملاحظہ میں پیش کرتے تو بہت مناسب تھا جب انہوں نے دیکھا کہ اس ان دیکھی عورت کے لئے میں بے تاب ہو رہا ہوں تو یہ کہہ کر اسے بلانے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے سامنے بہت دیر تک ناچتی گاتی رہی ہے جس کی وجہ سے تھک کر چور ہو گئی ہے آپ اطمینان رکھئے کسی اور موقع پر اسے آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔

چونکہ میرے اختیارات باقی نہ رہے تھے اس لئے اپنے دل پر جبر کر کے خاموش ہو رہا لیکن اس عورت کی ایک دن کی جدائی ایک برس معلوم ہونے لگی۔

دوسرے دن صبح کو جب پھر دہی بزم نشاط آراستہ ہوئی تو میرے چھوٹے بھائی جرنیل صاحب مرزا اسکندر حشمت بہادر چلے آئے ان کے ساتھ ایک عورت تھی۔ جس کا رنگ کندن کی مثال دمک رہا تھا عجیب ناز و انداز کے ساتھ دلوں کو کچلتی ہوئی قدم اٹھا رہی تھی اودے اطلس کا پاجامہ اور اس پر سرخ رنگ کی مسالہ ٹکی نشواز پہنے ہوئے تھی اپنے سازندوں کے ساتھ ہنسی مذاق کی باتیں کرتی اور ایک ادائے خاص سے مسکراتی اٹکھیلیاں کرتی چلی آرہی تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ برس کی یا اس سے کچھ ہی زیادہ ہو گی اس کا نام وزیرن تھا۔ بی جان نامی طوائف کی بیٹی تھی۔ قصاب والے پل پر اس کا مکان تھا۔

جیسے ہی اس سے میری آنکھیں چار ہوئیں عشق کا ایک تیر میرے دل کے پار ہوگیا اس خیال سے کہ یہ ایک ہم چشموں کا جلسہ ہے اس لئے اپنی زبان سے کچھ کہہ نہ سکا دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھامے اور چپکے چپکے کراہ کے رہ گیا محبوبہ پہ بیخودی کا وہ عالم تھا کہ ممکن تھا کہ میں فرط شوق میں داستان محبت چھیڑ بیٹھتا۔ لیکن شرم دامنگیر ہوئی۔ میں کچھ اسی قسم کی دلی کیفیات میں ڈوبا ہوا تھا کہ وزیرن نے اپنا ناچ اور گانا شروع کر دیا۔

حسن کیا کم تھا : آئینہ کی کھولی قلعی

ایک حیرانی زیادہ ہوئی حیرانوں پہ

وہ تو ادھر سرگرم رقص تھی ادھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا تھا آخر مجھ میں ضبط کی طاقت نہ رہی اور میں نے اسی بے خودی کے عالم میں محفل برخاست کرنے کا حکم دے دیا۔

دوسرے دن اسی طرح اس پری تمثال نے بزم میں آ کر اپنے عشوہ و ناز کا مظاہرہ کیا اور مجھ فرقت نصیب کو اپنے تیر ادا سے ایسا گھائل کیا کہ مجھ میں طاقت نہ رہی اور میرے لئے سونا اور کھانا پینا تک حرام ہو گیا۔ اس کی ناوک مژگاں نے میرے دل کو یوں دو ٹکڑے کر دیا کہ وہ مرغ بسمل کی صورت تڑپنے لگا۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ نجم النساء بیگم مرحومہ میرے محل میں عہدۂ داروغگی پہ مامور تھیں یہ خاتون نواب خاص محل کی رشتہ کی چچی اور میرے چچا خسر علی نقی ابن محمد علی خاں ابن مدار الدولہ بہادر کی نسبتی بہن تھیں۔ چالیس پینتالیس سال کے سن کی عورت تھیں بااخلاق اور سمجھدار اور دوست نواز واقع ہوئی تھیں سبحان اللہ مرتے دم تک پروانے کی طرح محبوبہ پہ اپنی جان چھڑکتی رہیں میرے مزاج سے اس قدر واقف ہو گئی تھیں کہ میں اپنے منہ سے ابھی بات نکالنے بھی نہ پاتا کہ وہ فوراً تعمیل کر دیتیں پلا

روپیہ پیسہ سب انہیں کے پاس ہوتا تھا۔ جس کی وہ اپنی جان کے برابر حفاظت کرتی تھیں وہ اپنے آرام کا اتنا خیال نہ رکھتیں جتنا میری خوشنودی کا۔ حد درجہ خوش مزاج اور طرحدار و خوش پوشاک عورت تھیں۔ ذرا سے پر تکلف لباس میں وہ پری معلوم ہوتی تھیں۔ ان کا رنگ گندمی تھا جس میں کچھ کچھ سرخی نمایاں تھی اور رخسار پر سیاہ تل تھا۔ قامت موزوں اور اعضائے جسم عمر کے لحاظ سے مناسب تھے بڑی ہوشیار اور عقلمند تھیں۔

ان کے خاندان میں ان کا پرانا نام پیارے صاحب تھا۔ وہ جب میرے محل میں عہدۂ داروغگی پر فائز ہوئیں تو داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کے خطاب سے سرفراز ہوئیں۔ رات دن میرے اطراف ہالے کی طرح رہتیں۔ جو بات میرے دل میں ہوتی وہ میری آنکھوں کے تیور سے سمجھ جاتی تھیں۔ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ نے اٹھارہ مورچھل بردار ایسی عورتوں کو نوکر رکھوایا تھا کہ شوخی و طراری ناز و انداز میں ہر ایک عورت الگ الگ خصوصیت کی حامل تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک یگانہ روزگار تھی تو بے جا نہ ہوگا مختصر یہ کہ نجم النساء بیگم صاحبہ نے جب دیکھا کہ میری جان خطرے میں ہے اور مجھ میں صبر و ضبط کی مطلق تاب نہیں ہے تو محبت کے جوش میں ایک دن میرے قدموں پر گر گئیں اور یوں گویا ہوئیں اے میرے جان عالم! میری جان آپ پر تصدق آخر ایسی کون سی بات ہے جس کے باعث آپ کو اپنی جان کی پرواہ تک نہیں ہے کیا وجہ ہے کہ بندگانِ اقدس کا چراغ راحت ہوائے غم کے جھونکوں سے گل سا ہو گیا ہے اللہ کی قسم ہے اگر رات کا دن اور دن کی رات یا ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے تو بھی آپ کی یہ لونڈی آپ کی اطاعت سے کوتاہی نہ برتے گی۔

اسی زمانہ میں میر محمد مہدی داروغہ کے عہدہ پر میرے ہاں ملازم ہوا تھا۔

میر محمد مہدی امین الدولہ امداد حسین خاں کے متوسلین میں سے تھا اور امین الدولہ نواب امداد حسین خاں میرے والد ماجد حضرت جنت مکاں کے زمانہ حکومت میں وزارت ومدار المہامی کے عہدے پر ممتاز تھے۔ نیز وہ میرے استاد بھی رہے تھے۔ میں نے ان سے میزان اور شرح اسباب پڑھا تھا۔

میر محمد مہدی سیدزادہ تھا میرے والد ماجد حضرت جنت مکاں کے زمانہ میں ایک تمن کا تمندار اور پندرہ روپے حشا ہرہ پاتا تھا۔ یہ ایک پاک باطن اور نیکدل انسان تھا، ساتھ ہی اس میں غرور و نخوت بھی موجود تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا ورنہ وہ ہرگز معزول نہ کیا جاتا اس کی عمر بتیس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ قد مناسب۔ سفید رنگ وہ پڑھا لکھا آدمی بھی تھا۔

امین الدولہ امداد حسین خاں نے میر محمد مہدی کو ازراہِ دوستی میری سرکار میں داروغہ کے عہدہ پر رکھوایا تھا چونکہ اس زمانہ میں امین الدولہ امداد حسین خاں کا طوطی بولتا تھا۔ غرض مند لوگ ہر وقت انہیں گھیرے رہتے تھے لیکن میر محمد مہدی داروغہ سے میرا دل کسی طرح بھی مربوط نہ ہو سکا۔ یہی وجہ تھی کہ اور لوگ اس شخص کے کاروبار میں دخل اندازی کرتے تھے اس کی عین خواہش تھی کہ میں کسی طرح بے تکلفی بڑھا کر شیر و شکر ہو جاؤں لہذا اس نے موجودہ واقعہ کو مناسب ذریعہ بنایا اور چاہا کہ اسی کام میں وہ میرا مددگار بنے چنانچہ ایک روز بڑی منت سے کہنے لگا اے جان عالم کیا وجہ ہے کہ حضور کے دشمن کئی روز سے غمگین و مضطرب منہ کو ڈھانپے ہوئے پڑے رہتے ہیں اور رقص و موسیقی کی محفلیں بھی بالکل ختم کر دی گئی ہیں۔

انہیں دنوں دو گانے والی عورتیں میری ملازمت سے سرفراز ہوئیں ایک کا نام امن تھا اور دوسری کا نام امامن یہ عورتیں میری سرکار میں ملازم ہونے سے قبل رئیس فرخ آباد کے ہاں اپنے پیشے کے طفیل میں بڑا اعزاز حاصل کر چکی تھیں۔ خدا معلوم

کیونکر وہاں سے نکل کر میری سرکار میں سرفراز ہوئیں انہیں سرور محفل والی خطاب دیا گیا۔ یہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ ماں کا نام مجو باپ کا نام نھتو تھا بھائی کا نام غلام رضا نسبتی بھائی کا نام گہمن تھا۔ چچا کا نام غلام نبی ماموں کا غلام حیدر تھا۔
مذکورہ لوگوں کا ذکر موقع آنے پر کیا جائے گا فی الحال ناظرین کی معلومات کے لئے ان کے صرف نام ہی بتا دینا کافی ہیں۔
امن اور امامن صدق دل سے میرے ساتھ محبت رکھتی تھیں ہمیشہ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کے ساتھ مل کر سچے دل سے میری خدمت گزاری کرتیں میں نے امن اور امامن کو بہن بنا لیا تھا ان لوگوں نے بھی حسن سلیقہ اور جذبۂ خدمت سے میرے دل میں ایسی جگہ پیدا کر لی کہ میں ان تینوں عورتوں (امن امامن اور داروغہ نجم النساء بیگم) کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر ساعت اپنے پوشیدہ راز یعنی عشق وزیرن کے تردد میں رہتا تھا جس وقت اس گلستانِ حسن کے گل ود میدہ کے عشق کی آگ میرے دل میں سلگ اٹھتی تو میری یہی ہمدم وہمراز عورتیں محبت بھرے گیت اور عاشقانہ غزلیں گا کر دل کی آگ کو ٹھنڈا کرتی تھیں اسی زمانہ سے میں نے ٹھمریاں موزوں کرنے کی مشق شروع کی انہیں میں سے ایک ٹھمری کے یہ بول ہیں۔

سن او گئیاں سیاں رہے دا ہو دلیس

رفتہ رفتہ ان تینوں عورتوں نے اپنی حد درجہ رفاقت کو کام میں لا کر میرے در پردہ عشق کا حال معلوم کر لیا ادھر باہر دربار میں داروغہ میر محمد مہدی مختلف طریقوں سے دریافت حال کرتا تھا۔
ایک دن داروغہ نجم النساء بیگم مرحومہ کسی بہانے بی جان کے گھر گئیں انجان طور پر وزیرن کے دلی جذبات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ تو انہیں محسوس ہوا کہ وزیرن

بھی میرے عشق میں بری طرح مبتلا ہے اس کے پاؤں میرے عشق کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں جس کے باعث وہ سرد سرد آہیں بھرتی ہے۔ جب داروغہ نجم النساء بیگم وہاں پہنچیں تو اس نے نہایت اضطراب کے عالم میں، مگر چپکے چپکے اپنے دل کا حال اور قصۂ واردات عشق سنایا۔ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کی نظر جب وزیرن کی ماں پر پڑی تو وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا موقع ہی نہیں دیتی کہ وزیرن سے کوئی بات ہو۔ انجام کار داروغہ نجم النساء بیگم منہ لٹکائے واپس آئیں۔

میں ادھر بے بس چھپے ہوئے صدموں اور رنج و ملال سے بستر غم پر پڑا ہوا تھا اور بار بار میرے دل سے جاں سوز آہیں نکلتی تھیں اس لئے کہ اس سرچشمۂ عشق کی یاد میں میرا دل ماہئی بے آب ہو رہا تھا۔

میرا یہ حال دیکھ کر داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ مرحومہ اور امن اور امامن مجھ فرقت نصیب دلسوختہ جاں کے پاؤں پر گر گئیں اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگیں کہ حضور کو لوں آہ و زاری سے کام نہ لینا چاہئے۔ کیا آپ نے یہ شعر نہیں سنا۔

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

خدا کی مرضی ہوئی تو حضور کی پری چہرہ معشوقہ وزیرہ جمال بت طناز کو لاکر حضور کے آغوش میں بٹھا دیں گے لیکن تھوڑے دنوں کی مہلت چاہئے اس وقت تک حضور کو صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ وزیرن کی ماں حضور کے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہو کر فریادی ہو اور بنے بنائے کام میں خلل پڑ جائے۔

میں غم کا مارا اس مکان میں جس کا نام خاص مکان ہے بستر پر منہ ڈھانپے پڑا رہتا تھا اور دن رات اس کی محبت کے ستم سہہ سہہ کر کمزور و ناتواں ہو رہا تھا۔ جب

طبیعت بہت ہی گھبراجاتی تو ستار بجانے لگتا اور کبھی پرسوز غزلیں گا گا کر دل بیتاب کو سمجھانے کی سعی کرتا۔ کھانا پینا تو بالکل ہی حرام ہو گیا تھا۔

ایک آدمی مسمی غلام علی میرا پرانا مصاحب اور رفیق تھا جواب بھرار پلٹن میں کمیدانی کے عہدہ پر فائز ہے اس کا خطاب بہاؤ الدولہ ہے دوسرا آدمی میر اکبر علی ہے یہ آدمی بھی میرا پرانا مصاحب ہے آج کل دیوان خانہ سلطانی کا پیشکار اور اس کا اکبرالدولہ خطاب ہے تیسرا شخص میر محمد مہدی داروغہ حال جو فی الحال اپنی خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا ہے امیرالدولہ کے خطاب سے ممتاز ہے۔

ان تینوں کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا موقع نکلے کہ وہ معشوقہ طناز جلد از جلد مجھے ملے اس کی ماں چونکہ بڑی گھاگ عورت تھی اس لئے ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی ایک روز داروغہ نجم النساء بیگم پھر وزیرن کے گھر گئیں انہوں نے دیکھا کہ وہ چارپائی پر لیٹی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں نجم النساء نے کوشش کی کہ اشاروں کنایوں سے اسے الگ لے جا کر میری طرف سے محبت کا پیغام اس کے گوش گزار کریں اچانک اس کی سنگدل ماں شور کرنے لگی اور کہنے لگی داروغہ سرکاری کارندیوں کے مکان پر کیا کام ہے ہم لوگوں کو تم سے کوئی علاقہ نہیں ہمارے یہاں ہرگز نہ آیا کریں ورنہ در دولت پر حاضر ہو کر میں فریاد کروں گی۔ یہ سن کر داروغہ نجم النساء بیگم گھبرائیں اور بعجلت ممکنہ اس کے مکان سے نکل گئیں اور ناامیدی کے عالم میں میرے پاس آئیں۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے سے تکدر نمایاں ہے اور لہجہ میں درشتی اور سر سے پیر تک کانپ رہی ہیں تو اس کی وجہ دریافت کی۔ پھر انہوں نے اس کی ماں کے شور مچانے اور طرز گفتگو کا ماجرا سنایا۔ یہ واقعہ سننے کے بعد مجھے بہت غصہ آیا فوراً میر مہدی کو (جو امین الدولہ کے متوسل تھے) طلب کیا اور کہا کہ جب تک میری محبوبہ نہیں آئے گی مجھ پر کھانا پینا اور سونا حرام ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں اس وقت

تم میرے حال پر افسوس کروگے اس لئے تمہیں چاہئے کہ جیسے بھی ہو جان پر کھیل کر اسے میرے پاس لاؤ۔

تھوڑی دیر تک وہ سوچ میں پڑ گئے اس کے بعد عرض کیا کہ اس کا لایا جانا تو کوئی مشکل کام نہیں لیکن حضرت جنت مکان سے اس راز کو کب تک پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے۔

اس دوران میں اس کی جدائی میں ایک مہینہ گزر گیا لیکن مراد بر آنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ میں نے اس معاملہ کے سلسلہ میں امین الدولہ کے پاس بھی کچھ پیغامات ارسال کئے اور کچھ عورتوں کو جو میرے والد ماجد کی ملازم تھیں مثلاً مصاحب السلطان اور انتظام السلطان جو اس زمانہ میں حضرت جنت مکاں کے محل میں داروغہ کی خدمات پر فائز تھیں اس کام میں لگایا لیکن کوئی تدبیر فائدہ مند نہ ہوئی اور میں اسی طرح رنج و آلام کا شکار رہا۔

ایک دن میں اپنے مکان بادشاہ منزل کی چھت پر ایک طپنچہ لے کر چڑھ گیا۔ اور اندر سے اس کے دروازہ بند کر لیے اور چاہتا تھا کہ طپنچہ کے گولی سے اپنے کو ہلاک کر دوں اتنے میں داروغہ نجم النساء بیگم آ کر دروازے سے اپنا سر مارنے لگیں اور ساتھ ہی کہنے لگیں اے جان عالم میں آپ کو خدا اور رسول کا واسطہ دیتی ہوں میری ایک بات سنئے۔ میں نے اندر سے جواب دیا کیا بات کہنا چاہتی ہو کہو پھر انہوں نے کہا کہ اگر اب کی دفعہ میں اس کو نہ لا سکی تو آپ کا دل جو چاہے کیجیے اب جبکہ آپ کا مدعا پورا ہو رہا ہے ایسی حالت میں خود کو ہلاک کرنا کہاں کی دانائی ہے۔

میں نے ان کی بات مان لی اور اپنے ارادے سے باز رہا پھر اسی لمحہ شیخ غلام علی تیز رفتار گھوڑے پر بیٹھ کر وزیرن کے گھر گیا میں نے ادھر اپنے مکان کو مکلف و آراستہ کیا، نہر کے بیچوں بیچ جس کے اطراف فوارے چھوٹے ہوئے تھے سیج بچھوائی میر محمد مہدی

کے علاوہ اس وقت وہاں اور کوئی موجود نہ تھا۔ بمصداق اس شعر کے سے

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

فرطِ مسرت میں بے چینی سے چہل قدمی کر رہا تھا اسی طرح پھر رات گزر گئی دفعتہً دیکھا اس ماہ وش کی تجلیٔ جمال سے سارا مکان روشن ہے میں نے جلدی میں دوڑ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔

رات بھر اس کے شمع حسن پر پروانے کی طرح قربان ہوتا رہا اور تمام رات باہمی شکوہ و شکایات اور راز و نیاز میں گزر رہی۔

جب صبح نمودار ہوئی صدائے نوبت و آوازِ مرغ و اللہ اکبر کا غلغلہ بیدا ہوا جس کے باعث میرا طائرِ روح عین ہنگامِ وصال گویا ذبح ہو گیا۔ اس وقت یکایک دروازے کے پیچھے سے میر محمد مہدی نے کہا، رات کا اندھیرا چھٹ گیا اب صبح کا اجالا ہر طرف پھیل رہا ہے مناسب یہی ہے کہ اب حضور رخصت فرما دیں۔ میر صاحب کی اس آگاہی سے میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور صبر کی طاقت بھی جواب دینے لگی۔ اسی عالم میں اٹھ کر میں نے اسے خدا حافظ کہا۔

برابر ایک ماہ تک یونہی یہ سلسلہ جاری رہا ایک دن میں نے اس جانِ خوبی کو روک لیا اور امین الدولہ کی اس مخلصانہ خدمت کے سلسلہ میں لبادہ و مندیل کے ساتھ پانچ پارچہ کا خلعت عنایت کیا۔

اس بتِ طناز کا ایک اور قصہ سنئے۔

ایک روز وہ اپنے مکان میں تھی جو کہ مٹھائی والے پل پر تھا اور جس کا میں ذکر کر چکا ہوں اس کو بڑا تیز بخار چڑھا ہوا تھا بخار کی شدت سے آنکھیں مندی ہوئی سی تھیں ادھر میرا یہ حال تھا کہ اندر ہی اندر اس کی یاد میں دیوانہ ہو رہا تھا جیسے ہی

میں نے اس کا خیال کیا خدا کی قسم کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بخار کی اسی شدت میں میرے پاس آ گئی اس وقت وہ سفید چادر اوڑھے ہوئے اور ننگے پاؤں تھی اور اسی حالت میں ایک کوس کا فاصلہ طے کر کے میرے پاس آئی تھی۔

میں نے پوچھا تمہیں اس حالت میں یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی اس نے کہا غالباً اس وقت آپ نے مجھے دل سے یاد کیا تھا اتنا کہہ کر وہ بیہوش ہو گئی۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسے واقعات پرانے قصوں میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

جب روز وہ جانِ جاں آ کر میرے گھر میں بیٹھ گئی جشنِ مسرت منایا گیا۔ مطربانِ خوش آواز و پری جمال مغنیوں نے اس محفل کو رشکِ فردوس بنا دیا ہر طرف سے مبارکباد کی آواز آتی تھی اور نوبت و نقارہ کی صدائے دلپذیر فضا میں گونجتی تھی میں نے اس خوشی میں حضرت مشکل کشا کا دستر خوان کیا۔ ملازموں نے نذریں پیش کیں اور میں نے ہر ایک کو اس کے رتبہ کے مطابق سرفراز کیا۔ خاص کر داروغہ نجم النساء بیگم امن و امامن اس شمع جمال پہ پروانہ وار نثار ہو رہی تھیں اس کی ماں امین الدولہ کی ایما سے قید تھی۔ دو تین ماہ بعد میری سفارش سے رہا ہوئی اور اس کی بیٹی کی جانب سے دو ہزار نقد مع خلعت و دو شالہ و رومال عطا کیا گیا۔ میں نے ہر طرح چاہا کہ وہ اپنی بیٹی کے پاس ہی رہے لیکن اس نے اپنے ناجائز بیٹے کو چھوڑ کر بیٹی کے پاس رہنا گوارا نہ کیا جس کی وجہ سے میری جان تمنا وزیرن اپنی ماں سے سخت ناراض رہی۔

نفیس سے نفیس جواہرات سونے چاندی کے بیش قیمت برتن اور اچھے اور فرمانبردار ملازم انہیں دیئے گئے اور ایک اعلیٰ خطاب سے وہ سرفراز کی گئیں۔ آخری خطاب ان کا ملکۂ عالم نواب نگار محل صاحبہ ہے۔

ایک سال تک ان کا ستارۂ اقبال جگمگاتا رہا اس کے بعد چند خاص وجوہات

کی بنا پر ماند پڑ گیا ان کے مزاج میں اس قدر تلون آ گیا تھا کہ رات کی کہی ہوئی بات صبح کو فراموش کر جاتی تھیں میں نہ چاہتا تھا کہ وہ میرے دوسرے محلات سے میل جول پیدا کریں لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور سب سے ربط و دوستی بڑھاتی رہیں انکے اس عمل نے مجھے بڑا دکھ پہنچایا ذرا سوچنے کی بات ہے میری یہ خواہش کہ نواب نگار محل کا کوئی اور ہمسر نہ ہو لیکن ان کی یہ حالت کہ وہ اپنے پرائے دوست دشمن میں تمیز نہ کریں میری دلجوئی کا بھی انہوں نے کوئی خیال نہ کیا دوسرے محلات میں نواب خورد محل عمدہ بیگم صاحبہ نواب نشاط محل نخفی بیگم صاحبہ سے میری مرضی کے خلاف دوستی پیدا کی حالانکہ میں چاہتا تھا کہ نواب نگار محل ان دونوں محلوں سے ممتاز رہیں یہ جب ان میں گھل مل گئیں تو فوقیت و تفضیلت کہاں رہی اس کے علاوہ کچھ اور وجوہات بھی پیدا ہوئیں بے پروائی سے کام لینا۔ کھانے پر انتظار نہ کرنا عشق و محبت کو بازیچۂ اطفال سمجھنا اور اسی طرح کے بے شمار واقعات ہیں جس کی وجہ سے یہ ناگوار صورت حال پیدا ہوئی۔

۱۷

حضور والیاں

اس مہ جمال کا تذکرہ ختم ہوا اب دوسرا شروع کرتا ہوں جب اس محبوبہ طناز نے میرے ساتھ نا التفاتی کا برتاؤ کیا تو اس کی طرف سے میرا دل پھر گیا اور دشمنوں کو ان کی کوششوں میں کامیابی نصیب ہوئی۔

اس وقت میری عمر ۲۲ سال کی تھی اسی زمانہ میں اٹھارہ نو آسامیاں مورچھل بردار داروغہ نجم النساء بیگم کے توسط سے ملازم رکھی گئیں وہ اپنی خدمت و فرائض

کی انجام دہی میں سب پر سبقت لے گئیں۔ لہٰذا انہیں حضور والیاں کا خطاب بخش گیا میں دو سال تک مختلف مکر و فریب سے کام لے کر ہر ایک سے محبت کرتا رہا۔ لیکن یہ عورتیں بڑی بد اطوار واقع ہوئی تھیں آٹھ دن یہاں رہ کر جو کما لیتی تھیں آٹھ دن میں اپنے گھر پر غیروں پر خرچ کر دیتی تھیں اور کمال یہ کہ میری محبت کا دم بھرتی تھیں اور میری ہمدم و دمساز بنتی تھیں۔

اسی زمانہ میں بشیر اور فیروز نام کے دو خواجہ سرا حضور جنت مکان نے مجھے مرحمت فرمائے تھے۔ میں نے فیروز کو نعمت خانہ کا داروغہ بنا دیا اور بشیر کو عہدۂ نظارت پر مامور کیا یہ دونوں خواجہ سرا حبشی قوم سے تھے بشیر کی عمر پچاس اور فیروز کی عمر چالیس برس کی تھی ان دونوں غلاموں میں جانبازی کے جوہر موجود تھے اسکے علاوہ بشیر میں جذبات رشک تھے مگر یہ آدمی جہاں دیدہ اور ذی عقل تھا اور اس کے مزاج میں تحمل تھا اور فیروز کے مزاج میں غصہ تھا اور وہ جاہل بھی تھا۔

جب دونوں اپنے اپنے عہدوں پر ممتاز ہو گئے تو بشیر نے یہ کوشش شروع کر دی کہ اطاعت و خدمت میں داروغہ میر محمد مہدی کا مدمقابل ہو جائے لیکن میر محمد مہدی کے سامنے اس کا جادو نہ چل سکا۔ جس کی وجہ سے اس کی ہوس کو آسودگی نہ مل سکی اس کے علاوہ داروغہ نجم النساء بیگم سے بھی وہ کچھ عداوت رکھتا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کی مراد پوری ہوئی وہ یوں کہ میں ایک ماہ بیگم کی محبت میں گرفتار ہوا اور انہیں مغالطہ گری شروع کی کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اسے عروج بھی نصیب نہ ہوتا مختصر یہ کہ جب بشیر نے یہ جان لیا کہ میں حضور والیوں کی طرف مائل ہوں تو وہ عجیب عجیب ہتھکنڈے استعمال کرنے لگا کبھی تو ان کے حسن و جمال کی تعریف کے پل باندھ دیتا اور کبھی ان کو بے وفا بتا کر مجھے ڈراتا۔

چونکہ حضور والیوں کا دستہ داروغہ نجم النساء بیگم نے آراستہ کیا تھا اور بشیر کو ان

سے کدورت تھی اس لئے چاہتا تھا کہ کسی طرح بھی محل کے اندر اور محل کے باہر دونوں جگہ کا داروغہ بن جائے ۔

بشیر وہی شخص ہے جو حضرت خلد مکاں کے ہاں خواجہ سراؤں کے زمرے میں تھا اور ان کی وفات کے بعد ولائتی محل کے ہاں (جو حضرت خلد محل کی منزل تھا) عہدۂ نظارت پر مامور تھا اور نصیر الدین حیدر خلد منزل کے انتقال کے بعد میرے دادا جان حضرت فردوس منزل کے محل ملکۂ جہاں کے ہاں خدمت گزاری کے عہدہ پر رہا۔ پھر حضرت فردوس منزل محمد علی شاہ کے عہد میں اسے خلعت کمیدانی مرحمت ہوا اور کھوپری والی پلٹن کا کمیدان ہوا بعد وفات حضرت فردوس منزل حضرت جنت مکاں امجد علی شاہ نے ازراہِ شفقت مجھے مرحمت فرمایا میں نے اس کی پرورش کے خیال سے اپنے محلات کی نظارت اسے عنایت کی ۔

ایک دن عیش و نشاط کی محفل آراستہ تھی میں حضور والیوں کی محبت میں مبتلا تھا اور ان میں سے ہر ایک عورت عشوہ و ناز دکھا رہی تھی اس موقع پر حیدری خانم نے جو حضور والیوں میں سے ایک تھی اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی بشیر نے عرض کیا پیر و مرشد یہ حضور والا سے مکر کرتی ہیں ۔ یہاں سے جو جواہرات زر نقد لیتی ہیں اپنے عاشقوں کو دیدیتی ہیں یہ سخاوت کب تک چل سکتی ہے داروغہ نجم النساء بیگم چاہتی ہیں کہ حضور کا سارا مال و متاع تلف ہو جائے جو آدمی حضور کی خدمت میں رہنا پسند کرے اس کو بے شک زر و جواہر اور مال و اسباب سے سرفراز کرنا چاہیے لیکن یہاں سے سب کچھ لے کر جو اپنے گھر چلی جاتی ہیں اور اپنے یاروں کو بانٹ دیتی ہیں انہیں نوازنے سے کیا حاصل اس پر طرہ یہ کہ نہ صورت کی اچھی ہیں نہ سیرت کی۔

اس کی تقریر سن کر میں نے کہا یہ سب میرے جان نثار ہیں اگر میں انہیں صرف اشارہ کروں تو اسی وقت اپنا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کریں۔

ہما کو زاغ کی صحبت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور زاغ ہما کے ساتھ رہے تو ہما کا نقصان ہے جب میں نے بشیر کو یہ جواب دیا تو اس نے کہا۔ جناب عالی! کمسنی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ابھی تک عورتوں کے مکر و فریب سے ناآشنا ہیں۔ میں نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے ارشاد کیا تمہارا خیال صحیح نہیں ہے میں ان لوگوں سے یہاں رہ جانے کو کہتا ہوں۔

جب میں نے جا کر حضور والیوں سے اپنے یہاں رہ جانے کے لئے کہا تو انہوں نے حیلوں بہانوں سے کام لینا شروع کیا اور آج کل کہہ کر ٹالنے لگیں اس طرح بشیر کا کہا درست معلوم ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک عورت نے کہا ہم اپنے آبائی گھر کیسے چھوڑ دیں ایک بولی میرے بچے ہیں میں کیوں کر یہاں رک سکتی ہوں ایک نے البتہ کہا میں رات دن کی خدمت کو حاضر ہوں الغرض تاش کے پتوں کی طرح سب منتشر ہو گئیں جب میں ان کے فریبوں سے واقف ہوا تو دلی رنج ہوا۔

ہیہات! اٹھارہ عورتوں میں سے ایک عورت نے بھی میرا اور میری محبت کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ اسی دم اس جلسہ سے میرا دل اداس ہو گیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ بے مروت عورتوں کی سرپرستی کرنا سانپ کو پالنے کے برابر ہے مناسب ہے کہ میں ان سے کنارا کش ہو جاؤں لہٰذا ان سب کو اپنے گھر سے نکال دیا وہ جھمگٹا صحرا کے سنگریزوں اور خزاں زدہ پیڑ کے پتوں کی طرح درہم برہم ہو گیا اگرچہ ان میں سے چار پانچ عورتیں رہ گئیں لیکن ان کی طرف میں نے کوئی التفات نہ کی۔ ہر چند انہوں نے بہت کچھ معذرت خواہی کی لیکن میں نے ان کو کسی عذر سے قبول نہیں کیا۔

مختصر یہ کہ یہ سارا دفتر، دفتر پارینہ ہو گیا۔ مگر حضور والیوں میں سے دو تین عورتوں کی محبت کا داغ دل پر رہ گیا۔

۱۸

قطب علی خاں ستار نواز

قطب علی خاں ستار نواز، ستار بجانے میں بڑا مشہور تھا قبل ازیں مختار الدولہ ابن ناصر الدولہ مرحوم کے پاس ستار بجانے پر نوکر تھا اس کے آبا و اجداد شہر بریلی کے راجپوت قوم سے تھے۔ جن کا سلسلہ نسب راجہ جگت دیو سے جا ملتا تھا۔ اس شخص کی عمر تیس یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ گندمی رنگ۔ مونچھیں کسی قدر لانبی، سارے سر پر بال بڑھے لکھنے میں ماہر، نثر نگاری میں اس کی بڑی شہرت تھی شاعری سے بھی لگاؤ تھا اور موسیقی کے فن میں مشہور و ممتاز تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قطب علی خاں اس فن میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ اس وقت کا وہ نائک بیجا نائک گوپال اور تان سین تھا اس شخص کو میں نے اپنے رفع ملال کے لئے ستار نوازی میں اپنا استاد مقرر کیا اور اس سے میں نے یہ فن اتنا سیکھا کہ کئی بار حاضرین محفل حیران رہ گئے لوگ ہنستے ہنستے رو دیتے تھے اور روتے روتے ہنس دیتے تھے۔ پیارے خاں میری تعریف کرتا تھا اور میرا ستار سن کر جھومنے لگتا تھا۔ بعض وقت تو خود قطب علی خاں میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتا۔

میں نے اس فن کو کمال کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اسی وقت سے قطب علیخاں میرا رفیق اور ہمدم ہو گیا لیکن یہ آدمی لامذہب تھا روزانہ دو تین پہر وہ میری صحبت میں رہتا تھا ایک روز تاج محل کی ملاقات کا پیغام میرے نام لایا۔ چونکہ حضرت نصیر الدین حیدر خلد منزل کی محل تھیں انہوں نے اپنی ایک مغلانی کے ذریعہ بھی کچھ باتیں کہلوائی تھیں لیکن میں نے اپنے چچا کے ادب و لحاظ سے صاف صاف جواب

دید یا قطب علی خاں بھی محبت پسند اور عاشق مزاج آدمی تھا۔ جبی بھویں۔ گندمی رنگ فارسی اور عربی زبان کا جاننے والا۔ بے بدل استاد۔ بذلہ سنجی ۔معنی فہمی اور دور بینی بھی اس میں کافی موجود تھی ۔

حضور والیوں سے ترک ملاقات کئے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اس لئے میں یہ سوچنے لگا کہ حسرت دیاس کا یہ صدمہ کب تک برداشت کروں بہتر یہ ہے کہ دو چار معشوقوں کو بلاؤں تا کہ حضور والیوں کا غم رفع ہو۔

۱۹

یاسمین پری

بڑی جستجو و تلاش اور کافی دوڑ دھوپ کے بعد ایک عورت دستیاب ہو سکی جس کو یاسمین پری کے نام سے ملقب کیا گیا میں نے بہت کچھ چاہا کہ خود اس عورت کو اپنے دام محبت میں گرفتار کر لوں لیکن اس کے الہڑپن کی وجہ سے میں اپنی افسوں گری میں کامیاب نہ ہو سکا۔

۲۰

سلیمان پری

ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک دوسری عورت کو اپنے گھر بٹھایا اور اس کا نام سلیمان پری تجویز ہوا

۲۱

عزّت پری

اس کے چند ہی روز بعد ایک اور عورت دستیاب ہوئی چونکہ خود اس نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی اور میرے گھر بیٹھنے کا وعدہ بھی کیا تھا اسلئے میں نے بخوشی راضی ہو گیا اور اس کو عزت پری کے خطاب سے نوازا چونکہ میری طبیعت میں نفاست پیدا ہو چکی تھی اور استاد قطب علی خاں کی معیت تھی مختلف قسم کے لطف اٹھا رہا تھا اور محفل موسیقی منعقد کئے بغیر میرا جی نہ بھرتا تھا لہٰذا جو عورت کہ فن موسیقی سے نابلد ہوتی وہ مجھے ہرگز نہ بھاتی تھی۔ مذکورہ بالا تین عورتیں موسیقی کے الف بے سے بھی ناواقف تھیں۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ناچنے گانے والی عورت دستیاب ہو چنانچہ میں نے ان عورتوں سے اپنی محبت نہیں بڑھائی۔

۲۲

سلطان پری

حیدری اور دلبر نام کی دو طوائفیں لکھنؤ بھر میں رقص و موسیقی کے فن میں بڑی بے مثال سمجھی جاتی تھیں دلبر جو کہ حیدری کی بڑی بہن تھی میری خدمت سے فیض یاب ہونے کا فخر رکھتی تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی چھوٹی اور حقیقی بہن کو میری خدمت میں نذرانہ کے طور پر پیش کیا۔ حیدری کی عمر گیارہ برس کی تھی اور وہ کچھ کچھ ناچ گانے سے بھی واقف تھی۔ میں نے دلبر کے اس نذرانہ کو قبول

کیا اور سلطان پری کے خطاب سے مشرف کیا۔ بشیر خواجہ سرا کی معرفت یاسمین پری۔ میر اکبر علی کے توسط سے سلیمان پری۔ نواب خاص محل صاحبہ کے توسط سے عزت پری داروغہ نجم النساء بیگم کے توسط سے یہ لڑکی مجھ تک باریاب ہوئی تھی۔

۲۳

حور پری

اس واقعہ کو گزرے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ داروغہ میر محمد مہدی کے معرفت نجبہ نام کی ایک عورت آئی اور میں نے اس کا نام حور پری رکھا اور اپنے گھر ڈال لیا۔ یہ عورت ناچ گانے کی بڑی ماہر تھی اور امیرن ڈومنی کی بیٹی تھی اس نے کسبن کا پیشہ اختیار کیا تھا۔

۲۴

ماہ رُخ پری

بعد ازاں داروغہ ارباب نشاط مسمی مہدی نے محبوب جان نام کی ایک پیشہ ور عورت کو کچھ زبردستی اور کچھ حیلے بہانے سے میرے حضور میں بھیجا یہ عورت رقص و سرود کی ماہر اور اس کی شہرت دور دور تک پہنچی ہوئی تھی۔ اگرچہ ہر عہد میں داروغہ کا پیشہ اختیار کرنے والوں کا یہی دستور رہا ہے اب خواہ لوگ ان سے خوش ہوں یا ناخوش ان لوگوں کو اپنے کام سے کام رہا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ اب وہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اُنہوں نے اپنے حضور میں پیش کرنے کا

ولی عہد سلطنت کا حکم عام ہے تو اپنی امان اسی میں دیکھی کہ کسی عورت کو بحضور
میں جبراً حاضر کر کے سرخروئی حاصل کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسی طرح کی ایک عورت کو
میری سرکار میں بھیجا گیا۔ جب میں نے اس کے حالات دریافت کیے اور اس سے اپنے
گھر میں رہ جانے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے صاف انکار کیا اور کہا کہ دراصل مجھے
دھوکے سے لایا گیا ہے جب میں نے دیکھا کہ وہ نہ میرے گھر رہنا چاہتی ہے اور نہ
اس کے دل میں میرے لئے کوئی جگہ پیدا ہو سکتی ہے تو کہا کہ تو بخوشی اپنے گھر جا
سکتی ہے خداوند تعالے مجھے اور عورت دیدیگا۔ میری یہ گفتگو سن کر اس نے عرض کیا۔
اے جان عالم میں آپ کے صدقے جاؤں ان قدموں کو چھوڑ کر اب کہاں جا سکتی ہوں میں امید
کرتی ہوں کہ مجھے اپنی پریوں میں شامل کر کے میری عزت افزائی فرمائیں گے۔ غرض اسکی
درخواست کو منظور کر لیا گیا اور اس کو ماہ رخ پری کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ اس عورت کی ایک رشتہ دار عورت راستہ چلتے میری بگھی کے
گھوڑوں کے پاس آگر گئی اور فریادی ہوئی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ حضرت
جنت مکان کے سامنے خدمت قلمدان میرے ذمہ تھی اور اس وقت میں اپنے والد
صاحب کے مجرے کے لئے دربار کو جا رہا تھا اس عورت کی آہ و بکا سنکر پریشان
ہوا میں نے پوچھا تو کون ہے اور کیا چاہتی ہے۔ اس پر اس نے عرض کیا۔ داروغہ
ارباب نشاط نے میری لڑکی کو زبردستی چھین کر حضور کی خدمت میں بھیجا ہے میں
اس بارے میں آپ سے دادخواہ ہوں اور امید ہے کہ آپ میری درخواست منظور
فرمائیں گے میں اسی وقت اس عورت کو اپنے گھر لے آیا اور ماہ رخ پری سے دریافت
کیا۔ کیا تم اس کو جانتی ہو۔ اس نے کہا ہاں جانتی ہوں آپ اجازت دیجئے اس کو
میں کچھ علیحدگی میں سمجھاؤں گی مختصر یہ کہ میں نے پانچ سو روپے ماہ رخ پری پر نچھاور
کر کے اس کی ماں کو دئیے اس طرح اس نے راضی نامہ پر دستخط کر کے خوشی خوشی اپنے

گھر کی راہ لی۔ اللہ اللہ ایسی نیک خصلت عورت میرے دیکھنے میں کبھی نہ آئی تھی۔

۲۵

وزیرن طوائف

اس دوران میں وزیرن نام کی طوائف نے مجھ سے اپنی محبت جتانی شروع کی یہ وہی وزیرن ہے جس کا تذکرہ گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے اور جو کہ نصیرالدین حیدر کے ہاں گانے والیوں کے زمرے میں تھی اور آج کل شیدی احمد کے پلے پڑی ہوئی ہے مجھ ہی پر کیا موقوف ہے یہ عورت ایک دنیا کو اپنے دام تزویر میں صید کئے ہوئے ہے۔ گندمی رنگ۔ عمر تیس برس کے قریب۔ ہاتھ پاؤں مناسب حد تک خوبصورت بھنویں اور آنکھیں بھی کافی حد تک پرکشش اس کی طبیعت میں شوخی اور ظرافت تھی۔ شروع میں برادر عزیز مرزا اسکندر حشمت اس کے کمند عشق میں اسیر تھے چنانچہ اس نے ان سے کئی ہزار روپے وصول کئے۔ اکثر و بیشتر وہ مجھ سے شوخی و شرارت کیا کرتی۔ کسی وقت داروغہ نجم النساء کے توسط سے کام میں آتی تھی اور کبھی امن و امامن کے ذریعہ پیغام محبت پہنچایا کرتی۔ غرض کہ ہر روز اپنے بیشمار محبت نامے ارسال کیا کرتی تھی جن پر اس کی انگلی کے خون کی مہریں ثبت ہوا کرتیں اس کی والہانہ محبت کی ایک معمولی سی مثال یہ ہے کہ میں جس روز درگاہ جایا کرتا تھا اس روز وہ حضرت عباسؓ کی درگاہ تک صرف مجھے دیکھنے کی خاطر جایا کرتی تھی چونکہ مجھے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ وزیرن کے میرے بھائی مرزا اسکندر حشمت سے مراسم محبت ہیں اس لئے ایک دن میں نے اس بات کو چھیڑا اور کہا کہ تو ایک طرف تو میرے بھائی سے اپنا ربط محبت بڑھائے ہوئے ہیں۔ دوسرے ادھر میرے ساتھ بھی تیرا عشق بڑھا ہوا ہے

آخر دو آدمیوں سے جاہ کس طرح ممکن ہے۔ یہ سن کر صاف مکر گئی اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے تمہارے بھائی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ عیش و نشاط کی محفل بہار پر تھی۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی ایسے میں خوش آواز گانے والی عورتوں کی آواز عاشق مزاج لوگوں کے دل پر نشتر زنی کر رہی تھی۔ محفل کو آراستہ کرنے میں کافی اہتمام اور تکلف سے کام لیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ کوئی محفل نہیں بلکہ کسی نوعروس کو سجایا گیا ہے۔ مالیوں نے ترو تازہ پھولوں کے نہایت ہی عمدہ گلدستے جگہ جگہ سجا رکھے تھے جن کی وجہ سے ہماری محفل نشاط رشک ارم بن گئی تھی۔ دونوں طرف میرے مصاحبین صف بستہ اور قاعدے سے بیٹھے ہوئے تھے اور عجیب عجیب طرح کی دل لگی اور مذاق کا ہنگامہ برپا تھا۔ اسی محفل میں میرے برادر عزیز مرزا اسکندر حشمت بہادر بھی اتفاق سے موجود تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا۔ سنا ہے وزیرن سے تمہارا کچھ تعلق ہے لیکن معلوم نہیں یہ محض افواہ ہے یا حقیقت۔ اس پر میرے بھائی نے کہا۔ میرے دربار سے وابستہ لوگوں اور مصاحبوں کے ہاتھ وہ اکثر میرے نام محبت آمیز خطوط بھیجتی رہتی ہے جن میں اس کا بھی اظہار کرتی ہے کہ وہ میری محبت میں حال تباہ کو پہنچ گئی ہے۔ اس کے یہ خطوط ہنوز میرے پاس محفوظ ہیں۔

بھائی کی یہ بات سن کر میں نے جواب دیا کہ اس عورت نے خود میرے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

آخر کار بھائی کے اور میرے مابین یہ طے پایا کہ اتفاق سے اس محفل عیش و طرب میں بیسیوں شریف اور وضعدار آدمی موجود ہیں ان سب کی موجودگی میں وزیرن ہم دونوں میں سے جس کا ہاتھ تھام لے وہ اسی کی تسلیم کر لی جائے۔ اس کے بعد آئندہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہ ہونی چاہئے مختصر یہ کہ وہ بے مثال رقاصہ ایک دفعہ

ناچتی ناچتی آگے بڑھی اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ساتھ ہی یوں گویا ہوئی کہ میرا اسکندر حشمت سے کوئی تعلق نہیں میں یہ تک نہیں جانتی کہ یہ کون ہیں۔ اس کی اس تقریر سے محفل میں ایک نئی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے قہقہے بلند ہوئے اور خوش آواز مطربوں نے نغمۂ مسرت گانا شروع کر دیا لیکن میرے بھائی اس فاحشہ عورت کے اس سلوک سے بڑے شرمندہ معلوم ہوتے تھے اور ایک عجیب دل شکستگی کے عالم میں محفل سے اٹھ کر چلے گئے میں نے بھی محفل برخواست کرنے کے لئے حکم دیا۔ اس واقعہ کے بعد سے وزیرن سے میرا اختلاط رہا۔ ان دلچسپیوں کے علاوہ میں کھیل اور تماشے سے بھی رغبت رکھتا تھا لہذا میں نے اس سے طے کیا کہ فلاں دن گونہ گنج میں عظیم اللہ کمیدان کے ہاں ضرور جاؤں گا تم بھی وہاں چلی جانا۔ اس نے آنے کا قطعی وعدہ کیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس کو میرے محل میں بلانے میں کوئی امر مانع نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تا کہ اس کے دل میں میری محبت کی آگ زیادہ سلگے اور مجھ سے ملاقات کا اشتیاق بڑھے۔

۲۶

علی نقی خاں اور وزیرن

مقررہ دن آخر آیا میں نے عظیم اللہ کمیدان کے گھر جانے کی تیاری شروع کر دی اور ساتھ ہی ایک مختصر سی محفل کا انتظام کیا اور مصاحبوں اور دیگر ملازموں کو روزمرہ کے مکان سے رخصت کر دیا دروازہ پر پہرہ مقرر کر دیا کہ آنے جانے والوں پر پابندی رہے ان انتظامات سے فارغ ہو کر میں نے دیدہ زیب ریشمی انگرکھا اور پاجامہ حسب پر تاج

بنے ہوئے تھے زیب بدن کیا اور زریں کلاہ سر پر رکھی اور اس کے بعد فینس پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور پہر رات گزرنے تک بخیریت عظیم اللہ کمیدان کے مکان پہنچا اسوقت میں نے داروغہ نجم النسا، بیگم اور دو مشعل برداروں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

عظیم اللہ تقریباً پچاس برس کی عمر کا تھا اور قوم شیخ سے تھا اور اس کے دماغ میں کچھ فتور سا معلوم ہوتا تھا اس نے جیسے ہی مجھے دیکھا فوراً کھڑا ہو گیا سلام و مجرا کے مراسم ادا کئے اور میرے بیٹھنے کے لئے ایک کرسی پیش کر دی اس کے بعد پان و عطر میرے ملاحظہ میں پیش کئے جنہیں میں نے قبولیت کا شرف بخشا۔ اس موقع پر میرے چچا خسر علی نقی خاں بھی موجود تھے سنا ہو یہ شخص مدارالدولہ مرحوم کی اولاد سے ہیں اور صحیح النسب سید ہیں بڑی بڑی مونچھیں اور از قد لمبے تڑنگے، نہایت عقلمند و زیرک مہذب و خلیق اور امیرانہ زندگی گزارتے تھے ان کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہو گی وہ مجھے دیکھتے ہی میری تعظیم کو کھڑے ہو گئے میں آگے بڑھ کر ان سے بغل گیر ہوا، جب یہ سب کچھ ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ مکان بہت مختصر سا ہے وہ معشوقہ طنازہ وہاں موجود نہیں ہے تب میں نے عظیم اللہ سے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں ہے اس نے دست بستہ عرض کی کہ ابھی حاضر ہوا چاہتا ہے اس کے آنے تک ستار کی بڑی شاندار صحبت جمی رہی کچھ دیر بعد وہ گلبدن نازنیں وہاں آموجود ہوئی پھر اس سے میرا مصافحہ اور معانقہ ہوا لیکن اس کا عجیب حال تھا کہ کبھی روتی تھی کبھی کھلکھلا کے ہنستی تھی۔

برسات کا موسم تھا آسمان پر ہر طرف سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں زور کی بارش نہ ہونے لگے اور میرا گھر جانا ناممکن ہو جائے اس لئے نہایت حسرت و اندوہ کے عالم میں اس سے رخصت ہوا علی نقی خاں سے اس روز پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کر دیکھا کہ میں نے جو محفل برائے نام آراستہ کی تھی وہ اسی طرح جاری ہے۔ میں سیدھا جا کر پلنگ پر لیٹ گیا اب

رات چونکہ تھوڑی رہ گئی تھی اس لئے سو گیا داروغہ نجم النسا بیگم اپنی خوابگاہ میں جا کر سو گئیں حاصل کلام یہ کہ میری محبت کا جادو وزیرن پر بھی چل گیا تھا ادھر میں بھی اس کی تیغ ادا کا زخم خوردہ تھا کبھی وہ مجھے گھائل کرتی تو کبھی میں اسکو گھائل کر دیتا۔

۲۷

پریوں کی تعلیم

میں عیش و عشرت کے جلسے ترتیب دینے اور نت نئی گانے والیوں کو فراہم کرنے کے خیال سے کبھی غافل نہ رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سازندوں اور موسیقی کے فن کے ماہروں کی ہر وقت تلاش جاری رہتی تھی تاکہ پریوں کی تعلیم جاری رہے اور وہ اس فن میں ماہر ہو جائیں۔

امن اور امامن ان دونوں بہنوں نے ایک روز کہا کہ ہمارے بعض رشتہ دار اس فن میں بڑے بے مثال ہیں میں نے یہ سن کر امن اور امامن کے ان رشتہ داروں کو حاضری کا حکم دیا چنانچہ ایک دن محفل چودھویں رات کے چاند کی طرح کی منعقد کروائی اور خود میں خاص مکان کے رخ کی چلمنیں چھڑوا کر امن و امامن کے ساتھ ستارے کر بیٹھ گیا اور ان آنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ آ گئے یہ کل چار آدمی تھے ان میں ایک امن و امامن کا باپ تھا جس کا نام نتھو خاں تھا دوسرا شخص ان کا چچا تھا اس کا نام غلام نبی تیراں کا اور نسبتی گھمن جان نام تھا جو تھا ان کا ماموں غلام حیدر ان چاروں نے آتے ہی مجرے کے بعد سرود شروع کر دیا ادھر پردے کے پیچھے سے میں بھی ستار کی آواز پر سر محفل پہنچا رہا تھا اس وقت محویت و بے خودی کا کچھ ایسا عالم طاری تھا کہ در و دیوار اور ماہ و انجم تک ششدر معلوم ہوتے تھے حاضرین میں سے ہر ایک

کی زبان سے کلمات تحسین ادا ہو رہے تھے ان دونوں کا گانا اتنا اثر انگیز تھا کہ میں نے اپنا سر چلمن پر رکھ دیا۔

اس روز کے مظاہرے کے بعد ننھو خاں اور گھمن جان کو حور پری اور سلطان پری کی تعلیم کے لئے ملازم رکھا ان کے علاوہ بھی کئی ایک ناچ اور گانے کے ماہرین فن ملازم رکھے گئے ثابت علی اور چھجو خان دونوں بھائی سازندوں کے زمرے میں ٹھمری پریوں کی تعلیم کے لئے ملازم رکھے گئے۔ اور ہر روز ایک جلسۂ طرب و محفل نشاط کے انعقاد کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

خود میں بھی ننھو خاں کے شاگردوں کے ساتھ گایا کرتا تھا تھوڑی مدت میں میں اس قابل ہو گیا کہ اپنے استاد کو پیچھے کر دیا یہ اسی زمانہ کا ذکر ہے جبکہ غلام رضا میرے ہاں ملازم ہوا اس کا تذکرہ میں نے پیشتر کیا ہے اس کی عمر کوئی چھبیس سال کی تھی لمبا قد کسی قدر فربہ اندام آنکھیں خوبصورت خوش طبع اور خوش مزاج آدمی تھا وہ ایک زبردست طاقت کا بھی مالک تھا ایک روز ہرن کا سینگ لے کر تنکے کی طرح توڑ دیا تھا۔ اطاعت گزاری میں بھی لاجواب تھا یہی سبب ہے کہ میں نے ہر وقت اس کو حاضر رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔

۲۸

پری خانہ کی آراستگی

اس عرصہ میں ایک چھوٹا سا مکان فن موسیقی کی تعلیم کے لئے میں نے مخصوص کر دیا جس کی آرائش و زیبائش میں انتہائی تکلف سے کام لیا گیا اور اس خانہ رشک ارم کو پری خانہ کے نام سے موسوم کیا یہ مکان سراسر پریوں اور گانے والیوں کے قبضہ

تصرف میں تھا مکان کے صحن میں سفید سنگ مرمر کا فرش کروایا گیا اور اس فرش پر چینی کے نہایت عمدہ اور خوبصورت گلدستے سجائے گئے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے لکڑی کی چوکیاں اور قیمتی پلنگ رکھے گئے۔ باہر کے دروازے پر ترکی عورتوں کا پہرہ تھا جس کی وجہ سے کسی غیر کو اندر آنے کی مجال نہ تھی البتہ داروغہ نجم النساء بیگم امن والا من پری خانہ کی پریاں اور گانے والے بے روک ٹوک آجا سکتے تھے۔

پری خانہ میں غلام رضا، گھمن جان، جھجو خان اور ثابت علی روزانہ دو تین پہر موجود رہتے اور ان کی صحبت نشاط سے محفل گرم رہتی تھی اس طرح پریوں کی بھی تعلیم و تربیت ہو جایا کرتی میں بھی موسیقی کا علم حاصل کرنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔

۲۹

مُتّا سے ملاقات

جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا میرا یہ ذوق و شوق اور بڑھتا گیا اور میری یہ خواہش ہوئی کہ گانے اور ناچنے والی جتنی بھی عورتیں دستیاب ہو سکیں اچھا ہے چنانچہ ہر شخص پر میں نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا جو شخص بھی اس مطلب کی عورتیں میرے حضور میں پیش کرتا تھا اس کے لئے ایک نیا لفظ معروضہ وضع کیا گیا تھا فرض کیجئے کسی کے توسط سے کوئی گانے ناچنے والی عورت آئی تو کہا جاتا کہ فلاں معروضہ حاضر ہے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ عورت میرے گھر پڑنے کو آئی ہے لہذا آئندہ کسی عبارت میں معروضہ کا لفظ آئے تو اس کا مطلب وہی لیا جائے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے اگر کسی جگہ عرضی اور عرضداشت کے الفاظ آئیں تو ان کے معنی وہی ہوں گے جن معنوں میں یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

ایک روز ایسا ہوا کہ داروغہ نجم النساء بیگم اور امین واماں نے یک زبان ہو کر کہا کہ حضور کے لئے ہم نے ایک حور وضع انتخاب کیا ہے جو زمانہ میں بے مثال ہے۔ اور قدر والوں کا خیال ہے کہ ایسا پیکر خوبی کبھی چشم افلاک نے بھی نہیں دیکھا ہوگا رقص و سرود کے فن میں بھی یکتا ہے اس پر طرہ یہ کہ حسن صورت میں بھی اس کا کوئی جواب نہیں عمر اس کی سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں اس جان خوبی نے ایک روز آپ کو کہیں دیکھ لیا تھا اس روز سے کھانا پینا حرام کر رکھا ہے اسکی دلی خواہش ہے کہ وہ پریوں میں داخل کر لی جائے اس کا نام منا ہے۔ تب میں نے اس کے خاندانی حالات دریافت کئے تو بیان کیا گیا کہ وہ وزیرن کی حقیقی بھانجی ہے اور اپنی خالہ سے مخفی طور پر حضور والا کے فیض محبت کی طلبگار ہے یہ بات معلوم کر کے میں صبر و تحمل کھو بیٹھا۔ اس کے اشتیاق دید میں میرے لئے رات دن ایک ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اس کی خبر وزیرن کو بھی ہوئی وہ بہت پریشان ہوئی اور اس کی زندگی دوبھر ہو گئی اور رقابت کی آگ میں جلنے لگی مختلف طریقوں سے منا کی طرف سے مجھے ڈراتی رہی لیکن اسکو کامیابی نہ ہوئی بلکہ میرے دل میں اس کے عشق کی آگ اور تیز ہوتی گئی انجام کار ان تین خواتین کی کوششوں سے ایک دن رات کو منا میرے گھر آ گئی وہ رات کس قدر عیش و مسرت لئے آئی تھی میں کچھ بیان نہیں کر سکتا لیکن جب صبح ہوئی تو اس سنگین جرم کے بدلے میں اپنی برادری کی عدالت سے اس غریب کو قید کی سزا ہوئی لیکن قید خانہ میں بھی ایک لمحہ کے لئے وہ میری یاد سے غافل نہ رہی کبھی تو وہ زار و قطار روتی تھی اور کبھی میری پرستش حال کرتی تھی آخر وہ میر محمد مہدی کی ذہانت اور جان توڑ کوشش سے قید سے آزاد ہوئی اور میرے گھر رہ گئی اس کی محبت کی آگ میرے دل میں تیز سے تیز تر ہوتی گئی میرے ہاں کی معشوقیں اور خوبصورت پریوں کی محفلیں دیکھیں تو اس میں تاب ضبط نہ رہی اور آتے ہی [illegible] کا [illegible] لوگ کو ٹھنڈا

کہنے کے لئے وہ مختلف تجویزیں بھی سوچنے لگی تھی جب منا میرے گھر پڑ گئی، تو وزیرن نے مجھ سے ترک ملاقات کرلی اور حکیم نواب مرزا اور علی بخش رسالدار جو بھی سے ربط محبت بڑھایا پھر ان سے بھی الگ ہو کر حاجی خانم کے بھائی شیدی احمد کو اپنے کمند عشق کا اسیر کرلیا آج کل اسی کے گھر میں عسرت و تنگدستی کے ساتھ بسر کر رہی ہے شیدی احمد کا میں پہلے تذکرہ کر چکا ہوں یہ ایک پچاس برس کے سن کا آدمی ہے لیکن خدا جانے وزیرن اس بوڑھے کھوسٹ کے گھر کیوں پڑی ہوئی ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

۳۰

منا کا فریب دینا

انہیں دنوں چھوٹے خاں نام کا ایک شخص ہمارے شہر میں وارد ہوا یہ شخص شاہجہاں آباد کا رہنے والا تھا طبلہ بجانے کے فن کا ماہر اور اس فن کا منتہی تھا وہ چونکہ ذریعہ معاش کی تلاش میں آیا ہوا تھا اس لئے میرے ہاں ملازمت کی کوشش شروع کردی اور آخر الامر شیخ غلام علی کی معرفت طبلہ نوازوں کے زمرے میں ملازمت مل گئی وہ کوئی پینتیس برس کا خوش رو اور کسرتی جسم کا آدمی تھا رنگ انتہائی گورا، اس کی طبیعت میں بلا کی شوخی تھی اور اسے سیر سپاٹے کا بھی بڑا شوق تھا۔ اکثر زنان بازاری اسیر جان تھا در کرتی تھیں اور ایک دنیا اس کی والہ و شیفتہ تھی اس میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ مصاحبت کے ڈھنگ خوب جانتا تھا غرض عجیب خوبیوں کا آدمی تھا، عاشق پیشہ معشوق صفت کہنا بے جا نہ ہوگا اپنی انہی خوبیوں کی بدولت وہ میری قدردانی و توجہ سے مشرف ہوا رفتہ رفتہ وہ اپنے ہمراہیوں ہمت بہار دفل کے معزز خطاب سے

سرفراز ہوا اور مجھ سے اس کا ربط وضبط اس قدر بڑھا کہ وہ غلام رضا کے مرتبہ تک پہنچ گیا اس کی کچھ کچھ توجہ خاص یعنی امتیاز پری پر بھی تھی۔

امتیاز پری خواہ مخواہ رات دن حسد کی آگ میں جلتی تھی ایک روز اسی نامبارک جذبے سے مغلوب ہو کر اس نے اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن میں نے اسے منع کیا اس پر اس نے کہا کہ میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے لئے جانا چاہتی ہوں آپ کو مجھو زیادہ انتظار کی زحمت نہ دوں گی میں اس کے فریب میں آگیا اور اسے جانے کی اجازت دیدی جب وہ دو روز تک بھی واپس نہ آئی تو میں بڑا پریشان ہوا اور داروغہ نجم النساء بیگم کو اس کے گھر بھیجا لیکن اس نے میرے گھر آنے سے صاف انکار کر دیا اور کسی قیمت پر بھی راضی نہ ہوئی جب میں نے یہ واقعات سنے تو بڑا دکھ ہوا اور اپنا ہاتھ دانتوں میں لے کر کاٹنے لگا۔

٣١

امتیاز پری کا انتقال

اسی زمانہ میں فیروز خواجہ سرا کے توسط سے ایک اور خواجہ سرا محمد حسین ہمارے ہاں ملازم ہوا یہ شخص قبل ازیں سیف الدولہ میر ہادی کی بیوی کے ہاں غلام رہ چکا تھا یہ ایک پچیس سال کا نوجوان تھا نہایت نیک امانت دار اور جاں نثار شخص تھا غرض کہ اس میں کوئی عیب بھی نہ تھا اور میرے ساتھ اس نے خیر اندیشی کا کچھ ایسا سلوک کیا کہ میں اب تک اسکا ممنون ہوں وہ خدمت گزاری میں سرگرمی و مستعدی سے مصروف رہتا تھا۔

جب میں نے داروغہ نجم النساء بیگم کی زبانی امتیاز پری (رضا) کا حال سنا تو آپے سے باہر ہو گیا اور محمد حسین خاں مذکور کو حکم دیا کہ اسی وقت جا کر اس کو زبردستی اس

کے گھر سے کھینچتا ہوا میرے روبرو لائے یہ حکم سنتے ہی محمد حسین خاں نے ذرا بھی تامل نہ کیا اور فوراً روانہ ہو گیا اور کچھ دیر بعد دیکھا کہ وہ امتیاز پری کو گھسیٹتا ہوا لے آیا ہر چند وہ زار و قطار رو رہی تھی لیکن میرے حکم کی تعمیل میں اس کی کوئی پرواہ نہ کی جب وہ میرے سامنے لائی گئی، میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا تجھ پر خدا کی مار ہو کیا ایسی صورت سے تو میری محبت کا دم بھرتی تھی مختصر یہ کہ دو ایک روز اسے اپنے گھر میں رکھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کا دل میری طرف سے صاف نہیں ہے اور میری جان کی دشمن ہو رہی ہے اور کسی صورت وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے تو میں نے ہیرے کی ایک انگوٹھی نشانی کے طور پر دیکر بڑی مشکل سے اسکو روانہ کر دیا اس کے بعد پھر اسے کبھی بلانے کا خیال نہ ہوا اس واقعہ کے تقریباً ایک سال بعد اطلاع ملی کہ مرض دق میں مبتلا ہو کر مر گئی ہے۔ جس کم جہاں پاک۔

۳۲

دلربا پری

امتیاز پری کو دور کرنے کے بعد میں دوسری پریوں کے رقص و سرود میں اپنے اوقات نہایت پر لطف طریقہ پر گزار رہا تھا دن عیدرات شب برات تھی ایک روز اکبر اللہ بہادر کے توسط سے چنی نامی طوائف میری محفل میں مجرے کیلئے حاضر ہوئی جیسے ہی میں نے اسے دیکھا اس پہ سو جان سے عاشق ہو گیا ادھر اس نے اپنا کل زیور اپنے جسم سے اتار کر اپنی ماں (خیفو جونے والی) کو دیدیا اور کہا کہ یہاں سے اب میں ہرگز نہ جاؤں گی وہ رونے پیٹنے لگی اس کے بعد چنی نے اپنے اور دو ہزار روپے ... دیکھ کر وہ خوش ہو گئی

اور اسی وقت ایک راضی نامہ لکھ کر اپنے گھر چلی گئی۔ میں نے چنی کو دلربا پری
کے خطاب سے ملقب کیا۔

جاسوسوں نے اس واقعہ کی خبر میرے والد ماجد حضرت جنت مکان کے گوش گزار کر دادی۔ حضرت جنت مکان نے دلربا پری کو اپنے حضور میں طلب فرمایا۔ میں یہ سن کر بہت پریشان ہوا اور دلربا پری کی مفارقت کے خیال سے بڑا رنج پہنچا دلربا پری نے مجھے تسلی دیتے ہوئے عرض کی۔ حضور والا اس قدر ملول نہ ہوں مجھے بلاخوف آپ بھیج دیجئے میں بادشاہ سلامت کے ملاحظہ میں اپنی ماں کے ہاتھ کا لکھا ہوا راضی نامہ پیش کر دوں گی تاکہ انہیں یہ یقین ہو کہ میں آپ کے ہاں ظلم و تشدد کی بنا پر نہیں آئی گو اس کی تجویز معقول تھی لیکن اس کو رخصت کرنے کو جی نہ چاہتا تھا لیکن مجبوری ہی ایسی تھی آخر کیا کرتا قصہ مختصر بادل نخواستہ میر محمد مہدی داروغہ کے ہمراہ شاہ جم جاہ حضرت جنت مکان کے حضور میں روانہ کر دیا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی حضور سے عرض کی کہ میں بادشاہ سلامت کے عدل و انصاف کی خواستگار ہوں مجھے حرامکاری سے دلی نفرت ہے اور میں باعزت زندگی گزارنا چاہتی ہوں ثبوت میں میری ماں کے ہاتھ کا لکھا ہوا راضی نامہ بھی میں پیش کر سکتی ہوں ارشاد والا ہوا کہ راضی نامہ پیش ہو۔ اس نے فوراً پیش کر دیا۔ راضی نامہ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ اسی طرح بحفاظت تمام ولی عہد بہادر کے محل میں پہنچا دیا جائے۔ دراصل اس عورت نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کے بار گراں سے میرا سر نہیں اٹھتا۔ اس عورت کی عمر کوئی بیس برس کی تھی۔ گندمی رنگ۔ کشادہ پیشانی متناسب اعضا۔ ناچ گانے کے فن میں بھی یکتا تھی۔ جب وہ میرے پاس رہ گئی تو پریوں کی تعلیم میں اپنا زیادہ تر وقت صرف کرنے لگی۔ جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے میرے دل میں اس کی محبت کی افراط ہوتی جاتی تھی۔

میں نے پریوں کے لئے طرح طرح کے لباس تیار کروائے تھے اور اسکا انتظام و

انصرام نواب خاص محل کے سپرد تھا. حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس خصوص میں بڑی مستعدی اور خوش ذوقی کا ثبوت دیا اور نہایت عمدگی سے اس کام کی انجام دہی کیا کرتیں ان معاملات پر میرا کئی لاکھ روپے خرچ ہوتا تھا.

۳۳

سرفراز پری

ایک پیشہ ور عورت تھی جس کا نام تھا گنا - اس نے اس پیشہ سے توبہ کر لی تھی. پھر اس کے بعد اپنے ایک رشتہ دار سے شرعی عقد کر لیا اور بھلی عورتوں کی سی زندگی گزارنے لگی کہتے ہیں ایک رات اس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا اور وحشت کے عالم میں بیدار ہوئی اور اسی دم اس کے دل میں میری محبت کا تیر پیوست ہو گیا. اس کی عمر کوئی ستائیس برس کی تھی. چہرے پر چیچک کے داغ. اس کی آنکھیں اور بھویں خوبصورت تھیں. قد و قامت نہایت موزوں.

یہ عورت شیخ غلام علی کمیدان کے توسط سے فیروز خواجہ سرا کے ہاتھ لگی اور اس بات کی خواہش مند ہوئی کہ میرے ہاں پریوں کے زمرے میں شامل ہو. میں نے اس کی درخواست کو قبول کیا لیکن چونکہ اس کا شوہر موجود تھا اس لئے مجھے اپنے گھر رکھنے میں پس و پیش تھا لہذا اس نے حضرت مجتہد العصر قبلہ و کعبہ کے ہاں جا کر طلاق لے لی اس کے بعد مجھے اپنے پاس رکھنے میں کوئی عذر نہ ہوا. میں نے اس کو سرفراز پری کے معزز خطاب سے سرفراز کیا اور رہی اور پریوں کے مقابلہ میں اس عورت کی محبت سے زیادہ متاثر ہوا. یہ خاتون خوش پوشاک و خوش مزاج واقعہ ہوئی ہے

۳۴

حیدری بیگم

حیدری بیگم مرثیہ خواں اس زمانہ میں میرے ہاں ملازم تھی وہ نہایت نیک و پاک باز عورت تھی میں اس کی محبت کی دل سے قدر کرتا تھا ایک دن داروغہ نجم النساء بیگم کے توسل سے میرے پاس آئی تھی جب وہ جا چکی تو میں بھی اسے بھول گیا۔ اس کی خواہش تھی کہ محلات میں اسے بھی لے لیا جائے۔ لیکن میں نے منظور نہیں کیا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ایک روز اسی کو دفت میں کانچ (شیشہ) پیس کر کھا لیا۔ جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت والد ماجد کی طرف سے مجھے خوف ہوا پھر فوراً میں نے اس کو ملازمت سے موقوف کر کے اس کے گھر رخصت کر دیا۔

۳۵

سردار پری

ان ہی دنوں امن اور امامن کے ذریعہ سے ایک طوائف کی لڑکی جس کی عمر صرف گیارہ سال تھی نذر کے طور پر میرے حضور میں پیش کی گئی۔ یہ لڑکی کم سن ہونے کے باوجود سرخ و سفید رنگت کی تھی۔ آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں۔ وہ موسیقی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی چنانچہ اس کو تعلیم بھی دی گئی۔ اس کو میں نے سردار پری کا خطاب دیا۔

٭

۳۶

عجائب خانم

نواب خاص محل صاحبہ کے ذریعہ سے ایک عورت میرے پاس لائی گئی جسکو میں نے عجائب پری کا خطاب دیا تھا۔ یہ عورت ناچ گانے میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔

۳۷

رجب کی نوچندی

ایک روز حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ کی زیارت کے لیے ماہ رجب المرجب کی نوچندی میں تمام پریوں کو بھیجا اس وقت پریوں کو نہایت مکلف لباس اور بیش قیمت زیورات پہنائے گئے اور ان کی سواری کے لئے نفیس ترین فنیس اور پالکیاں آراستہ کی گئیں جب یہ کارواں روانہ ہوا تو ایک عجیب کر و فر نمایاں تھا۔ ایسا منظر شاید کبھی چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ میں نے ان پریوں کے ساتھ داروغہ میر محمد مہدی اور داروغہ نجم النساء بیگم کو کر دیا تھا۔

سنا کہ جس وقت پریوں کا یہ پرا روانہ ہوا بازار میں راہ چلتے لوگوں اور درگاہ شریف کے تمام حاضرین کی نظریں اسی جانب تھیں۔ یہ بھی سنا کہ اسی رات حیدر حسین خاں سے تاک جھانک کے ضمن میں جھگڑا بھی ہوا لیکن میر محمد مہدی نے کمال دانش مندی سے اس فساد کو رفع کروایا۔ پھر رات تک درگاہ میں گزار کر یہ لوگ خیریت سے واپس ہوئے

اور میرے نہایت شکر گزار تھے کہ میں نے انہیں اس قسم کا موقع دیا لیکن جب اس کی اطلاع حضرت جنت مکان کو ہوئی تو وہ سخت برہم ہوئے اور آئندہ کے لئے سخت تاکید فرمائی۔
ان لوگوں کو بے پردہ درگاہ کو بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے تین عورتوں کو محل قرار دیا تھا اور وہ پردہ میں رہتی تھیں لیکن پردوں کے اس پردے کا کچھ مطلب ہی نہ تھا لہذا ایک روز مجھے خیال ہوا کہ کسی کو محبت کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے دل میں جذبۂ محبت پیدا نہیں ہو جب تک کہ معشوق اپنے کو آزاد تصور نہ کرے اس کی محبت کا اندازہ دشوار ہے اس لئے میں نے ان کی خواہش کو پورا کرنا ضروری سمجھا تھا۔

۳۸

سلیمان محل

دن اسی طرح گزار رہے تھے چند دنوں بعد نا کہ نواب نشاط محل اور سلیمان پری حمل سے ہیں یہ اطلاع میرے لئے نہایت مسرت کا باعث ہوئی اور فلک الافلاک تک تہنیت کی آوازیں جانے لگیں یہ خبر سنتے ہی میں نے سلیمان پری کو محل میں داخل کر کے سلیمان محل صاحبہ کا خطاب مرحمت فرمایا اور اسی وقت عمدہ قسم کی اشیاء اور قیمتی پاس جواہرات کی کشتیاں اور کچھ دوسرا سامان انہیں بھیجا گیا اور ساتھ ہی انہیں پردے میں بٹھایا۔
خدا کے فضل و کرم سے حمل کے دن پورے ہونے کے بعد ان دونوں محلوں سے ماہ دشتری تولد ہوئے اور ان کے ضیائے حسن سے تمام دنیا روشن ہو گئی نواب نشاط محل صاحبہ کے بطن سے فرزند زادۂ والدۂ دوداں تولد ہوئے اس کے دادا صاحب نے اس کی والدہ کو خلعت تہنیت اور نقد عنایت فرمائی اور میرے فرزند کو مرزا سپہر قدر خطاب

عنایت کیا۔ نواب سلیمان محل صاحبہ سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کو اس کے دادا صاحب نے سپہر آرا اکبری بیگم کے خطاب سے ممتاز فرمایا۔ الحمدللہ۔

۳۹

سپہر آرا

میری بہن جو میرے چچا منیر الدولہ کے بیٹے سرفراز الدولہ سے منسوب ہیں۔ ان کے اولاد تو ہوتی تھی لیکن ایک بچہ بھی زندہ نہ رہا اس لئے میری والدہ صاحبہ کی رائے سے حضرت جنت مکان نے میری لڑکی سپہر آرا اکبری بیگم صاحبہ کو ان کی گود میں ڈال دیا اور اس کی پرورش و نگہداشت بھی انہیں کے ذمہ کر دی۔ گاہے گاہے سپہر آرا اکبری بیگم صاحبہ کو لایا جاتا تاکہ میں اور اس کی ماں اسے دیکھ لیں ایک رات ہمارے ہاں گزارنے کے بعد وہ دوسرے دن صبح واپس چلی جاتی تھیں۔ یہ بات اگرچہ مجھے پسند نہ تھی اور بچی کی جدائی میں بعض وقت میں پریشان سا ہو جاتا تھا لیکن میرے والدین کی مرضی ہی ایسی تھی میں کیا کر سکتا تھا ان کی اطاعت بہرحال مجھ پر فرض تھی۔ وہ جو کہیں اس کی تعمیل مجھ پر لازم تھی۔

۴۰

مرزا بیدار بخت

اس کے چند ہی روز بعد یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ نواب خاص محل صاحبہ حاملہ ہیں اس خبر کے سنتے ہی میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ مدت حمیعہ گزرنے کے بعد مثل ماہ تاباں ایک

لڑکا تولد ہوا۔ اس کے دادا نے اس خوشی میں مبارکباد کی گیارہ ضرب توپ کی سر کروائیں۔ خاص خاص لوگوں اور مقربان نے مبارکباد کی رسم ادا کی اور نذریں پیش کیں اس خوشی میں ایک جشن جمشیدی کا اہتمام کیا گیا اور محفل طرب منعقد کی گئی۔ پریوں نے جواہرات بیش بہا اور لباس فاخرہ سے اپنے آپ کو سجایا۔ اللہ اللہ ایک عید کا سماں تھا یہ ایک ایسا جشن مسرت تھا کہ پھر کوئی ایسا جشن نہیں ہوا۔ اس کے دادا نے مرزا بیدار بخت کے خطاب سے اسے ملقب فرمایا اور بڑے چاؤ سے اناؤں کی گودوں میں اس کی پرورش ہوتی رہی۔

۴۱

شمس آرا بیگم

چند روز کے بعد ایک اور خبر مسرت افزا ملی کہ محل کی ایک ملازمہ فرخندہ خانم حمل سے ہے میں پھر سجدۂ شکر بجا لایا اور اسے پردے میں بٹھا دیا۔ لیکن محل کا اعزاز نہ بخشا۔ صرف فرخندہ خانم صاحبہ کا خطاب دیا گیا۔ دن پورے ہونے کے بعد ایک دختر نیک اختر پیدا ہوئی۔ اس کے دادا صاحب نے اس کو شمس آرا بیگم صاحبہ کا خطاب عنایت فرمایا۔

۴۲

شہنشاہ پری

ایک روز دارو غہ نعمت خانہ فیروز خواجہ سرا اور شیخ حسین علی کے ذریعے

پیاری نامی ایک عورت میرے ملاحظہ میں آئی۔ یہ عورت عمدہ آبادی والی کھنی میں نے اس کو پریوں کے زمرے میں شامل کر لینے کا حکم دیا اور شہنشاہ پری خطاب دیا اور دستور کے مطابق اس کو بھی رقص و سرود کی تعلیم دی جانے لگی۔

۴۳

معشوق پری

جہانی نامی ایک ڈومنی کی لڑکی پیارے صاحب محمد حسین خواجہ سرا کی معرفت میرے ملاحظہ میں لائی گئی۔ میں نے اس کو بے حد پسند کیا اور اس کو گھر بٹھا لیا۔ معشوق پری اس کا خطاب قرار پایا۔ رقص و سرود کی اس کی بھی تعلیم ہونے لگی۔

۴۴

مہک پری

امن اور امامن کی معرفت ایک زن خانگی آئی جو میرے مرغوب طبع ہوئی اس کو میں نے پریوں میں شامل کر لیا اور مہک پری کے خطاب سے نوازا رقص و سرود کی اسکی بھی تعلیم ہونے لگی۔

۴۵

دلدار پری

کچھ ہی دنوں بعد بندی جان الٰہی جان نامی ایک عورت محمد حسین علی خواجہ سرا کی

معرفت میرے ملاحظہ سے گزری اور پسند خاطر ہمایونی ہوئی۔ اس کو دلدار پری کا خطاب دیا گیا حسب دستور پری خانے میں اس کو بھی رقص و سرود کی تعلیم دی جانے لگی۔

۴۶

حضور پری

اس زمانہ میں داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کی معرفت حسینی نامی ایک لڑکی آئی اور میں نے اسے پسند کیا اس نے صرف قواعد موسیقی سیکھنے کا اعزاز حاصل کیا وہ بھی کچھ کچھ اس کو حضور پری کا خطاب دیا گیا۔ یہ لڑکی بدھیہ نامی طوائف کی بیٹی تھی۔

۴۶

معشوقہ خاص

ایک عجیب داستان سنیئے کہ نواب نشاط محل صاحبہ کے بطن سے سپہر قدر کی پیدائش کے سلسلہ میں جب بزم نشاط برپا تھی مختلف قسم کی بوڑھی رقاصائیں اور مطربان خوش آواز کو بھی بلایا گیا تھا اسی ضمن میں اچھی نامی ایک طوائف بھی آ گئی تھی

خوبصورت چہرے تو دیکھنے میں آتے ہی ہیں لیکن اس کا سراپا میں کیا بیان کروں کیا تھا بس خدا کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا جو نگاہوں کو دعوت نظارہ دے رہا تھا خوش رو خوش آواز۔ چال میں بجلی کی تڑپ۔ پری رو۔ سیم بر۔ نازک ادا۔ نازک بدن۔ سرو قد سیم تن۔ غنچہ دہن۔ گل پیرہن۔ پری پیکر۔ حور شمائل۔ اپنی ایک ایک ادا سے حاضرین محفل کے دل پارہ پارہ کر رہی تھی اس کے حسن تقوی شکن کو دیکھ کر ملائک بھی اپنی

عبادت کے خیال سے غافل تھے وہ ہنستی تو یوں معلوم ہوتا کھول جھڑ رہے ہیں جس وقت میں نے اس ستمگر دل نواز کو دیکھا تو صبر و ضبط کا یارا نہ رہا اس وقت میں گلزار منزل کے بالاخانہ پر بیٹھا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اس جاں سوز نظارے سے مجھ کو ضعف آ گیا تھا۔

اس روز کثرت سے لڑکیاں آئی تھیں اور میرے دل کی سرزمین پر محبت کے بادل برس رہے تھے اس میں شک نہیں اس زمانہ میں خود مجھ میں بھی بتان شوخ و شنگ کے سے آثار موجود تھے۔ میری طلسم آفریں آنکھوں کے آگے سامری کو بھی سبقت لے جانا محال تھا یوسف کو میرے حضور میں بار پانا مشکل تھا میری زلف پر پیچ مشک تاتار کو شرمندہ کرتی تھی۔ میری ناوک مژہ اغیار کے سینوں میں کانٹے کی طرح چبھتے تھے۔ حسن و جمال، لطافت و ملاحت میرے آگے سر بسجود تھے۔ ادا و ناز میری ادنیٰ سی کنیزیں تھیں آہوان رم خوردہ میری چشم پر فریب سے رک جاتے تھے سنبل پیچاں میری کاکلوں کی اسیر تھی۔ میرے رخسار مثل آئینہ حلب، میری زنخداں سیب سرخ تھی میری آنکھیں ناتوانوں کے لئے مایۂ قوت تھیں میرے ہونٹ معشوقوں کے لئے جاں نواز تھے۔ میری بھنویں کمان کیانی۔ میری پیشانی چاند کی طرح چمکتی میرے حلقۂ گیسو کمندِ بلا تھے جس میں بے شمار دل اسیر ہو کر تڑپتے تھے میرے مژگاں کے نیزوں سے عاشقوں کے دل زخمی تھے میری ابرو کی تیغ معشوقوں کی جان کی دشمن تھی زلفیں شب تیرہ و تار کی مانند اور عارض صبح وصال کے مثال تھے قد و قامت سرو مراد کی طرح جو معشوقوں کے دل کو ہزار فریب سے قابو میں کر لیتا تھا۔

مختصر یہ کہ وہ معشوقۂ طناز بڑی آرزو و تمنا کے ساتھ مجھے دیکھتی جاتی تھی ادھر میری حالت بھی غیر ہوئی جاتی تھی وہ جب کبھی ناچتی میرے قریب آ کے میرا ہاتھ پکڑ لیتی اور میں چھیڑ چھاڑ کرتا تھا آخر کار وہ بزم ختم ہوئی اور وہ اپنے گھر چلی گئی۔ لیکن وہ میری

محبت کا تیر کھا چکی تھی۔

یہ واقعہ رونما ہو کر تین چار ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران میں دو چار بار اس کی ملاقات میسر آئی لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے مجبور تھی اور اپنی ماں سے اس قدر ڈرتی تھی کہ اپنی محبت کا اظہار بھی نہ ہونے دیا اور دل ہی دل میں میری محبت کو پروان چڑھاتی رہی رفتہ رفتہ وہ اپنی ماں سے لڑائی جھگڑا بھی کرنے لگی انتہائے مجبوری میں کبھی بے اختیار ہو کر رو پڑتی۔ کبھی میر اکبر علی کے ذریعہ اپنا پیام محبت میرے نام بھیجا کرتی اسی زمانے میں ایک بار میں نے پھر اسے مجرے پر بلایا لیکن حضرت والد ماجد اور والدہ معظمہ کے ڈر سے فوراً رخصت کر دیا کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ان لوگوں نے مجھ پر کچھ پابندیاں عائد کر رکھی تھیں یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے گھر بٹھانے کا کبھی خیال بھی نہ آیا لیکن میر اکبر علی کی سعی بلیغ سے ایک روز وہ میرے گھر آ کر پڑ ہی گئی اور چھ ہزار روپے اپنے اوپر صدقہ اتار کے اپنی ماں کو دیئے۔

یاسمین پری جس کے میرے گھر پڑنے کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے رقص و سرود کی تعلیم کے بعد یکتائے زمانہ ہو گئی اور اس کا حسن بھی کچھ ایسا نکھر آیا کہ وہ لاثانی ہو گئی اگرچہ مجھے اس سے پہلے ہی سے الفت زیادہ تھی لیکن اس کے مزاج میں ابھی بچپن تھا اور علم موسیقی میں بھی کامل نہ ہونے کے باعث میں اس کی طرف التفات نہ کرتا تھا لیکن کچھ زمانہ گزرنے کے بعد وہ سچ مچ ایک پری بن گئی میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس سے محبت کی ابتدا کی خود یاسمین پری بھی مجھ پر سو جان سے فدا تھی۔

مجھے اس سے اس درجہ محبت ہو گئی کہ اس کے بغیر خواب و خور حرام ہو گیا جب وہ ناچ گانے میں مصروف ہوتی تو میں اس کے جمال دلفریب و ادائے دلستاں میں کھو جاتا یہ سلسلہ کوئی ایک سال تک جاری رہا اور اس کا ستارہ الفت میرے فلک توجہ پر ضو فشاں رہا آگے چل کر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ یہ رشتۂ محبت ٹوٹ گیا۔

حالات یہ تھے کہ کچھ دنوں سے ہی سرفراز بیگم پر مائل و ملتفت تھا یہ دیکھ کر مائین پری برداشت نہ کر سکی اور وہ آتش رشک و حد میں جلنے لگی اس لئے اس سے ترک تعلقات کے علاوہ کوئی صورت ہی نہ تھی۔

یہ اسی زمانہ کی بات ہے کہ جبکہ بتوسط مصاحب خاص غلام علی خاں پدر غلام رضا خاں، غلام نبی خاں اس کا برادر اور غلام حیدر خاں اس کے برادر نسبتی اور چھوٹے خاں کے ذریعہ اس کا برادر گھسیٹے خاں اور غلام احسن خاں کے توسل سے اس کا برادر نسبتی محمد حسن خاں جو سارنگی بجانے والوں کی ذات سے تھا حسب پسند الہیا خاں اور چھجو خاں کے ذریعہ اس کے دو برادر حید رعلی اور نثار علی اور قطب علی کے ذریعہ اس کا برادر خواجہ بخش خاں ملازم ہوئے اور میں نے ان کو مصاحبان خرد کا خطاب دیا۔

۴۸

مرزا فریدوں قدر

معشوق پری کو موسیقی کی تعلیم شروع کئے ابھی تین ماہ ہی گزرے تھے کہ قاصد خوش مقال نے یہ خبر پر مسرت سنائی کہ وہ حاملہ ہو چکی ہے میں نے خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور اپنی مذکورہ کو پردے میں بٹھا کر اس کو محل کا درجہ عطا کیا اس کے بعد مختلف ملبوسات فاخرہ اور زیورات بیش بہا اور چند ایک تحفے اس کو عنایت کئے نیز اس کے رہنے کو ایک آراستہ محل سرائے تجویز کر کے اس کے حوالے کیا۔

ایام حمل گزارنے کے بعد خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے ماہ محرم الحرام کی نو تاریخ کو فرزند فرخندہ فال پیدا ہوا میرے والد ماجد حضرت جنت مکان نے مرزا

فریدوں قدر بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ساتھ ہی مجھے بھی ایک خلعت فاخرہ مرحمت فرما کر میری عزت بڑھائی اور معشوق پری کو نواب معشوق محل صاحبہ کے خطاب سے نوازا۔

۴۹

مہر آرا بیگم

اسی دوران میں ایک اور مژدہ جانفزا سننے میں آیا کہ عزت پری امید سے ہے میں یہ سنکر پھر ایک بار سجدۂ شکر بجا لایا اور عزت پری کو پردے میں بٹھا دیا اور عزت محل صاحبہ خطاب دیا اور دوسری محلات کی طرح اسکو بھی ممتاز و معزز فرمایا دراصل نواب معشوق محل صاحبہ اور عزت محل صاحبہ ایک ساتھ ہی حاملہ ہوئی تھیں لہذا محرم الحرام کی سات تاریخ کو عزت محل صاحبہ کے بطن سے دختر نیک اختر شب ماہتاب صفت متولد ہوئیں حضرت والد ماجد یعنی اس کے دادا نے اس کا مہر آرا بیگم صاحبہ نام تجویز کیا مرزا فریدوں قدر بہادر اپنی بہن مہر آرا بیگم صاحبہ سے صرف دو روز چھوٹے تھے۔

۵۰

داروغہ نجم النساء بیگم کا سانحہ ارتحال

راوی غمگین و راقم دل گرفتہ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کا کچھ حال رقم کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ قارئین خوش باش و وضعداران نکتہ سنج کو لمحات مسرت میں لمحات موت کو فراموش نہ کرنا چاہیے چونکہ یہ دنیا فانی ہے اور اسکی حیثیت محض پانی کے ایک

بلبلہ کی سی ہے لہذا ہر جاندار کو ایک دن دارِ دُے مرگ ناگہانی کا مزہ چکھنا ہے یہی وجہ ہے کہ دانایانِ عالم و عاملانِ بالغ نظر اس دنیا کو نقش بر آب سے زیادہ تصور نہیں کرتے اور اس کو ایک چلتی پھرتی چھایا سے تشبیہ دیتے ہیں البتا اس لئے سمجھتے ہیں کہ ہم جس کو سایہ سمجھ بیٹھے ہیں وہاں تھوڑی دیر میں کڑی دھوپ سر پر آجاتی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار اور بفحوائے آیۃ کریمہ کل نفس ذائقۃ الموت اور کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔ لازم و ملزوم ہے لہذا میں اپنے اشک ملال کو اپنی نا امیدی کی آستین سے صاف کر کے قارئین کی خدمت میں بہ ہزار رنج و ملال عرض پرداز ہوں کہ داروغہ نجم النسا بیگم صاحبہ جو زنان خانہ کی داروغہ میری شفیق اور انیس جلیس و رفیق اور ہمدم و محبوبہ بے ریا تھیں اور جو مجھ پر پروانہ وار جان چھڑکتی تھیں یکایک قضا کا نشانہ بن گئیں اور مجھ فراق زدہ کو مجبور و پر ملال چھوڑ گئیں۔ جب میں نے یہ خبر وحشت اثر سنی تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور میں دیوانہ سا ہو کر از خود رفتہ ہو گیا اور بستر غم پر گر کے زار و قطار رونے لگا اس کے علاوہ میں کر بھی کیا سکتا تھا مجبوری و ناچاری کی حالت میں دل پر صبر کا پتھر رکھ کر بیٹھ رہا۔ اور مرحومہ کے لئے دعائے خیر کرتا رہا۔

۵۱

امیر پری

نواب نشاط محل صاحبہ کے ذریعہ ایک عورت میرے گھر میں داخل ہوئی اور امیر پری کے خطاب سے سرفراز کی گئی اصل میں یہ ایک طوائف تھی جو کرم بخش والی

کے نام سے مشہور تھی اس کی عمر اٹھارہ برس یا اس سے کچھ ہی زیادہ تھی حسب قاعدہ اس کو بھی پریوں میں شامل کر لیا گیا اور موسیقی کی تعلیم پر اسکو بھی لگا دیا گیا۔ لیکن چونکہ وہ پہلے ہی سے اس فن کی ماہر تھی اس لئے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی لیکن چونکہ بے پروائی سے کام لینے میں موسیقی کے فن پر اثر پڑنے کا امکان تھا اس لئے مشق جاری رکھنے کے خیال سے اس کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا گیا۔

۵۲

وزیر پری

فیروز خواجہ سرا اور نواب خاص محل صاحبہ نے ایک عورت کو میرے ملاحظہ میں پیش کیا جس کو میں نے بے حد پسند کیا اور اپنے گھر میں ڈال لیا۔

یہ عورت سکھ بدن والی کے نام سے مشہور تھی گرمی کے موسم میں وہ میرے ہاں آئی تھی اور اپنے ناچ گانے کا اتنا اچھا مظاہرہ کیا کہ میں نے بلا تامل اسے قبول کر لیا اور وزیر پری کا خطاب دیا۔ اس کی بھی تعلیم جاری رہی۔

۵۳

امراؤ عمدہ خانم

ایک روز کا ذکر ہے کہ مطربان نغمہ سنج ساقیان عہد شکن ایک خاص ادائے دلنوازی کے ساتھ ہر طرف مے فروشی کر رہے تھے عندلیبان ترانہ سنج و طیور شیریں سخن زمزمہ پردازی میں مگن تھے بوئے گل چمن میں چاروں طرف پھیل کر مشام جاں کو راحت

بخش رہی تھی موج ہوا دلبرانہ انداز سے گل مراد چن چن کر حاضرین محفل پر نچھاور کر رہی تھی۔ قصر خاقان دلہن کی مانند سجا ہوا تھا۔ ہر فانوس معشوق اصلی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا تھا بلوریں جھاڑ اور کانچ کے درختوں کو ایک عجیب قرینے سے ترتیب دیا گیا تھا جابجا نامور بادشاہوں اور سلاطین سلف کی تصاویر آویزاں کی گئی تھیں سرخ بانات کا نفیس ترین فرش بچھا تھا۔ موقع موقع سے قدآدم آئینے نصب کئے گئے تھے خاص کر راحت منزل کی تزئین و آرائش میں خاص اہتمام سے کام لیا گیا تھا حضرت باغ کی نہر کا دل نواز منظر عجیب سماں پیش کر رہا تھا جس کو دیکھ کر ایک دنیا غرق حیرت تھی چشمہ سبزیں کے اطراف مرد نگہباں لگائی گئی تھیں دلائتی لیمپوں پر شیشے کے کنول ڈھانپے گئے تھے سلیقہ مند مالی پودوں اور درختوں کی دیکھ بھال کے لئے جگہ جگہ موجود تھے باغ کی ہر روش نہایت صاف و شفاف تھی۔

قصر خاقان کے بیچوں بیچ ایک نفیس میز بچھائی گئی تھی جس پر طرح طرح کے انگریزی کھانے خوش ذائقہ فواکہات شیشے بھر اور رچا ذی سونے کے برتنوں میں چنے گئے تھے مختلف رنگوں کے گلدستے اور بیش قیمت مرتبان رکھے گئے تھے انگریزی چھری کانٹے بھوکوں کے لئے نشتر کا کام دے رہے تھے اور ہر طرف ظروف میں مرغ و دراج کو اسیر کرنے کے لئے دھرے تھے نووارد خواجہ سرا محمد حسین خاں اس تقریب کا منتظم تھا اور نہایت جوش و انہماک سے کام میں مشغول تھا بادری سہیل کی طرح اس ماہتاب اغذیہ کے اطراف ہالہ بنائے ہوئے تھے لیموں اور فالسے کے شربت سے بھری ہوئی صراحیاں جگہ جگہ رکھی تھیں اس میز کے اطراف نفیس و خوبصورت کرسیاں محبوبوں اور گل رخ پریوں کے لئے بچھائی گئی تھیں اور ہر کرسی پر ایک ایک پری چہرہ ہاتھ میں چھری کانٹا لئے ہوئے بیٹھی تھی میرے لئے ایک الگ کرسی جو جواہر نگار و مرصع تھی بچھائی گئی تھی۔ اس روز میں بھی دولہا کی طرح

سجا ہوا تھا۔ آبدار موتیوں کا تاج سر پہ تھا اور قبائے ولیعہدی زیب بدن تھا گلے میں موتیوں کی مالائیں اور بازوؤں میں بیش بہا نورتن بندھے ہوئے تھے۔ نہایت ہی قیمتی آٹھ لڑا دست بند ہاتھوں میں تھا۔ سرخ اطلس کا پاجامہ جس کے ہر سوزن کے سوراخ پر موتی ٹانکے گئے تھے پہنے ہوئے تھا نہایت نفیس مطلا جامہ زیب بدن تھا جس پر قیمتی مروارید کے چاند تارے بنے ہوئے تھے چمکتی ہوئی تلوار ہاتھ میں تھی عطر حنا میں سارا جسم بسا ہوا تھا۔ میری پیشانی سے جوانی کا عالم اور آنکھوں سے شباب کی مستی نمایاں تھی انگریزی باجے کی آواز سے ایک عجیب کیف برس رہا تھا خوش آواز زہرہ جبیں پریاں میرے سامنے ایک ادائے خاص سے گا رہی تھیں اور زہرہ شکن انداز سے ناچ رہی تھیں یہ جلسہ امام ہمام کی پیدائش کے روز پندرہ تاریخ ماہ شعبان کو ہوا تھا۔

اس روز میں نے اپنی پیچدار زلفوں کی لٹیں اپنے منہ پر چھوڑ رکھی تھیں یکایک ایک معشوقہ دلنواز شوخ و عشوہ پرداز، دل آزار و دلفریب۔ سمن بر سہی قد تمثال و غنچہ دہن میرے روبرو آئی اس کی پلکیں نشتر زنی کر رہی تھیں اس کی آنکھیں معلوم ہوتا تھا کہ ہلاکت آفریں زہر ملانے کو بے چین ہیں۔ سینے کا ابھار تحمل حسن کی غمازی کر رہا تھا۔ کان کیا تھے گوشوارہ حسن تھا اس کا چہرہ کتابی مضمون عشق کا آموختہ تھا ناک انگشت شہادت کی شاہد تھی۔ اس کے عارض ورق گلستاں و پیشانی ہم شبیہہ بوستان تھی آنکھوں کی سیاہی رنگ وہ شب دیجور اور رخسار آئینہ چینی اور گیسوئے دراز کلدئے رستم کے لئے کمند تھے۔ اس کے گیسوئے مشکیں پر سنبل پیچاں تصدق اور لب خوش رنگ جنت کا حرمہ تھے دانت بہشت بریں کی شیرینی لئے ہوئے تھے اس کی زبان کیا تھی حسن و مستی کا خامہ تھا۔ اس کے ہاتھ برق تپاں کی مثال تھے غرض کہ اس کا سراپا کچھ ایسا تھا کہ اس کی تصویر کشی کے لئے الفاظ کے کئی دفتر درکار ہیں وہ ابھی پندرہ سال کے سن میں تھی اس کے جمال جہاں آرا کے آگے موجودہ عہد کی

تمام حسیناؤں کا حسن گرد تھا اس کا نام امراؤ عمدہ خانم والی مشہور تھا اس کے حسن کی جلوہ زائیوں سے ایک دنیا مبتلائے اذیت تھی۔ جب وقت میں نے اس کو اور اس نے مجھے دیکھا تو ہم دونوں کے دل تیر عشق کے گھائل ہوگئے اس دوران میں رقص و سرود کا غلغلہ بیدار ہوا اور اس جلسہ میں ایسا ہنگامۂ نشاط رہا ہوا کہ ایک عجیب لطف کا سامان پیدا ہوگیا اور ایسی پر لطف صحبت اس سے قبل کبھی میسر نہ آئی تھی۔

دوسرے دن وہ معشوقہ عاشق مزاج اپنے جذبۂ محبت سے مغلوب ہو کر اپنی زبان جادو اثر سے یوں گویا ہوئی:۔ کہ آپ کے جذبۂ محبت نے میری حالت ہی بدل کر رکھ دی ہے اور بت طاقت ضبط کا یارا نہیں رہا۔ لہٰذا اب کوئی ایسی تجویز روبہ عمل لانی چاہیے جو یادگار زمانہ تا ہو میں زندگی بھر آپ کی تابع فرمان رہوں گی۔ اب دل آپ کو چھوڑ کر رہنا نہیں چاہتا۔

میں نے جب اس کی یہ اثر انگیز تقریر سنی تو بڑی خوشی حاصل ہوئی اور اپنی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ لیا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے اس کو شرف قبولیت بخشا لیکن چونکہ مجھے اپنے والد ماجد کی طرف سے ڈر تھا اس لئے اپنے ہم نشینوں اور راز داروں کے سامنے یہ مسئلہ رکھا آخر کار سب کی رائے ہوئی کہ از روئے شریعت اس خصوص میں مجتہدین سے مدد لینی چاہیئے یہ تجویز معقول تھی میں نے اپنی سرکار کے داروغہ میر محمد مہدی کو طلب کیا دوران سے گفتگو کی اور سید ابراہیم علی خاں نے جو آج کل سید ابراہیم علی خاں بہادر کے خطاب سے مفتخر ہیں بہانہ تلاش کر کے کسی مصلحت کی بنا پر اس نازآفریں سے متعہ کر لیا۔ اور ایک شرعی ترک و فسق اور نکاح ثانی کے ضمن میں لکھ کر مجتہدین کی خدمت میں بہ حسن توسط محکمۂ شرعیہ میں بھیجدی اور ساتھ ہی سید ابراہیم علی اور نازنین مسطور کو بھی روانہ کیا اس سلسلہ میں داروغہ میر محمد مہدی نے بڑی سعی و کوشش کی۔ نتیجتہً اپنے منصوبہ میں کامیابی ہوگئی بعد ازاں اثنائے راہ میں سید ابراہیم علی نے محکمۂ شرعیہ سے واپس آرہے تھے امراؤ کو طلاق دے دی اس طرح وہ نازنین مجھے مل گئی۔ میں نے اسکو جنۃ السلطان

کرۃ الزمانی۔ کمنہ بیگم صاحبہ کا خطاب دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑی حیادار عورت تھی میرے پاس آنے کے بعد اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس پر کوئی اعتراض ہوتا۔ چند دن گزرنے کے بعد اس کی ماں عمدہ خانم مجرے کے بہانے سے ایوان شاہی میں باریاب ہوئی۔ اور موقع نکال کر میرے والد ماجد سے فریاد کی کہ میری لڑکی امراؤ کو صاحب عالم ولیعہد بہادر نے زبردستی پکڑ کر اپنے گھر ڈال رکھا ہے لہذا میں آپ سے انصاف چاہتی ہوں میرے والد ماجد عدل گستری اور انصاف پروری میں یکتائے زمانہ تھے انہوں نے جب یہ حال سنا تو اس واقعہ کی تحقیق کے لئے امراؤ کو حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا میں بھاگا ہوا والدہ ماجدہ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ وہ نازنین میری ممتوعہ بیوی ہے اور میں اس کو دل سے چاہتا ہوں۔ میں نے ہرگز اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ بلکہ برضا ورغبت وہ میرے پاس آئی ہے ادھر وہ سرمایۂ ناز و وفا کیش نہایت پریشانی کے عالم میں ڈرتے ڈرتے اور زار و قطار روتی ہوئی روانہ ہوئی میرے لئے اس کی یہ جدائی ناقابل برداشت تھی لیکن کوئی چارۂ کار نہ تھا کبھی اپنی بے بسی پر روتا تھا اور کبھی پاگل کی طرح ہنس پڑتا تھا اور کبھی سرراہ جا کر ٹہلنے لگتا اور کبھی گھر میں آکر دروازہ بند کر کے بیٹھ جاتا۔

جس وقت وہ گل ہمیشہ بہار میرے والد ماجد کے روبرو پیش ہوئی تو عمدہ خانم کو بھی حاضر کیا گیا۔ بہت ساری بحث و تکرار کے بعد امراؤ نے عرض کیا کہ اگر لونڈی کو عمل شنیعہ کی اجازت دی جاتی ہے تو اس مکارہ عمدہ خانم کے ساتھ جائے گی اور اگر عمل حسنہ کا حکم نافذ فرمائیں تو میں سید ابراہیم علی کے پاس جاؤں گی کہ میں انکی ممتوعہ ہوں اس پر حکم ہوا کہ تم اپنے شوہر کے پاس جاؤ اور عمدہ خانم کا تم پر کوئی دعویٰ جائز نہیں اور آئندہ وہ کبھی ایسی نالش نہ کرے ورنہ جرمانہ و سزا کی مستحق سمجھی جائے گی۔

۵۴

امامن کا انتقال

جامِ زنگیں جب صہبائے گل عذاراں سے بھر گیا تو لیکا یک میری پیرہن . میری مونس جان دانیس تنہائی امامن کے انتقال پرملال کی منحوس خبر میرے گوش گزار ہوئی میں نے انتہائی بے تابی میں اپنے آپ کو دریائے غم و اندوہ میں ڈال دیا اور اس نے غم نے میرے دل میں جگہ کر لی اس کی موت کیا تھی ایک کانٹا تھا جس کی خلش میرے دل میں پیدا ہو گئی اس رفیقہ کے بعد وہ محفل نشاط جوان ہی لوگوں کی توجہ سے برقرار تھی سونی ہو گئی . انا للہ و انا الیہ راجعون .

۵۵

محمدی کہاری

میری ولیعہدی کے شروع زمانہ میں میری خدمت اور مختلف بالائی کاموں کے لئے ایک عورت ملازم رکھی گئی تھی یہ عورت قوم کی کہاری تھی یہ عورت بڑی شوخ مزاج اور سانولی رنگت کی تھی قبل ازیں مرزا نصیر الدین بہادر مرحوم کے ہاں کہاریوں کے زمرے میں ملازم رہ چکی تھی میری خواہش ہوئی کہ اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناؤں چنانچہ اس نے مجھ سے وعدہ بھی کیا مگر شرط یہ رکھی کہ اسے مہری گری کے عہدے پر فائز کیا جائے میں نے اس کی یہ شرط منظور کر لی اور بہتر النساء خانم صاحبہ کا معزز خطاب دے کر مہری گری کے عہدے پر اسے سرفراز کیا اس کی محبت میرے دل میں زیادہ سے زیادہ

پیدا ہو تی گئی لیکن جب اس سے یہ کہا گیا کہ وہ میرے گھر پڑے تو اس نے انکار کر دیا جب میں نے اس کی ملاقات ترک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بری طرح رو پڑی ایک روز تو مجھے بڑا غصہ آ گیا۔ گھر نہ پڑنے کی خطا پر ملازمت سے برطرف کر دیا لیکن اس نے اس قدر شر برپا کیا اور اپنی حالت کو برباد کیا کہ میں ڈر گیا اور فوراً اسکو بحال کر دیا عجیب عورت تھی نوکر تھی لیکن میری محبت میں دیوانی ہو رہی تھی اور گھر نہ پڑنے کی قسم کھا رکھی تھی میں اس کو اچھی اچھی چیزیں اور عمدہ ملبوسات دیتا رہتا تھا اس لئے کہ خود مجھے بھی اس سے محبت پیدا ہو گئی تھی وہی عورت مجھے دونوں وقت کھانا کھلایا کرتی تھی۔

۵۶

شاہ بخش

اس زمانے میں نواب خاص محل صاحبہ کے توسط سے سترہ برس کی ایک عورت میرے گھر پڑی جسکو خدمت گاردں ا درخواصوں کے زمرے میں شامل کر لیا گیا یہ ایک حسیت چالاک عورت تھی میں نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا یہاں تک کہ اسے میرے سامنے بیٹھنے کی اجازت نہ تھی اس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اپنا مقررہ عہدہ سنبھالے رہے اسکو شاہ بخش کا خطاب دیا۔

۵۷

الطاف بخش

نواب خاص محل صاحبہ کے ذریعہ سے اسی زمانہ میں ایک اور عورت جس کا سن سترہ برس

کا تھا میرے گھر پڑی اور خواصوں کے زمرے میں سرفراز کی گئی اور الطاف بخش خطاب قرار پایا۔ اس میں شک نہیں یہ عورت بڑی خوبصورت تھی۔ لیکن میری پسند خاطر نہ ہوئی اس کو بھی میرے روبرو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی صرف اپنے کام سے کام تھا۔ وہ علم موسیقی حاصل کرنے میں بھی ناکام رہی تھی۔

۵۸

شیریں حبشن

محمد حسین علی خاں کی معرفت شیریں نام کی ایک حبشن میرے گھر پڑی اور اسے بھی خواصوں کے زمرے میں ممتاز کیا گیا۔

۵۹

فضہ حبشن

شیریں حبشن کی معرفت ایک اور حبشن میرے گھر پڑی جس کا نام فضہ تھا یہ بھی خواصوں کے عہدے پر فائز ہوئی۔

۶۰

لیلےٰ حبشن

شیریں حبشن کے ذریعہ ایک اور عورت لیلیٰ حبشن میرے گھر پڑی اور وہ

خواصوں کے زمرے میں شامل ہوئی

۶۱

حضرت جنت مکان کا تحفہ

انہیں دنوں مرزا نصیر الدین حیدر مرحوم کی ایک باعفت محل ملقب بہ بادشاہ محل کا انتقال ہوا ان کا مال و اسباب ضبط ہوا تو ضبطی میں میرے والد ماجد کو چھ لونڈیاں ملیں ان چھ لونڈیوں کو ازراہ شفقت پدری مجھے مرحمت فرمایا میں نے دو کو اپنی خدمت کے لئے رکھ چھوڑا اور بقیہ چار کی شادی کر دی جو لونڈیاں میرے تصرف میں آئیں ان میں سے ایک کو فرخندہ بخش اور دوسری کو شاہ بخش کے خطاب سے ملقب کیا یہ ہی فرخندہ بخش ہے جس کے بطن سے ایک لڑکی نواب شمس آرا بیگم ہو کر انتقال کر گئی اور اسی وجہ سے وہ اسامیوں کے زمرے میں شامل ہو کر فرخندہ خانم صاحبہ کے معزز خطاب سے سرفراز کی گئی اور پردے میں بٹھائی گئی تھی لیکن اس کو کیا کہیے کہ اس کی قسمت خراب تھی جس کی وجہ سے نواب شمس آرا بیگم زندہ نہ بچی ورنہ یہ عورت محل کے رتبہ تک پہنچ جاتی۔

۶۲

نواب خاص محل کی بے تعلقی

خداوند خدائے پروردگار کونین کے فضل سے جس کے قبضہ میں زمین و آسمان ہیں اس پری خانہ نے خاطر خواہ ترقی حاصل کی۔ اس کی محفل کے ناچ گانے دلوں میں تڑپ پیدا کرتے تھے سننے والوں کے کانوں میں ایک گرمی سی دوڑ جاتی تھی میری پریو

نے اپنے فن میں اس قدر درک حاصل کر لیا کہ راجہ اندر کوہ قاف کی پریوں کو بھی خاطر میں نہ لاتا۔ ہر پری کی دلبرانہ ادا سے انسان کا دل ٹکڑے ہوا جاتا تھا۔ میں اس جلسہ کی تمام ترترقی کو محسوس کرتا تھا اگر میں ایک کے دل نشیں فریب سے چھٹکارا حاصل کرتا تو دوسری کے کمند ناز میں اسیر ہو جاتا۔ کھانا پینا سونا بیٹھنا، سیر تماشا خواہ کسی موضوع پر بھی بحث ہوتی ہو پریوں کے بغیر کسی چیز میں کوئی لطف نہ آتا۔ ان پریوں میں سے بیشتر حاملہ ہوئیں اور محل کے مرتبہ پر پہنچیں بعض نے اپنی دلربا اداؤں سے مجھے مسخر کر لیا اور کسی نے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا مختصر یہ کہ ہر ایک پری نے مجھے اپنے اپنے جادو کے شیشہ میں اتار لیا تھا کسی وقت بھی رنج و ملال کی صورت میرے تصور میں نہ آتی تھی البتہ دو ایک سانحات رونما ہوئے تھے۔ ایک تو داروغہ نجم النساء بیگم کا انتقال دوسرا میری رفیق و دمساز اماں کی موت اور ایک میری دختر کی رحلت ورنہ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ رنج کیا چیز ہے اور غم کیا بلا ہے۔

میرا یہ مشغلہ محبت و رابطہ عشق و وصال میری دوسری بیگمات کو ہرگز گوارا نہ تھا خاص کر نواب خاص محل صاحبہ نے تو اپنے دل میں ایک خار الم پیدا کر لیا اور اندر ہی اندر آتش رشک سے جلنے لگیں کسی کو طعنہ دیا تو کسی کا دل دکھا دیا۔ کسی کی پوشاک میں کوئی نقص دکھا کسی کے زیور میں کوئی عیب نمایاں کر دیا۔ مختصر یہ کہ ایسی ہی عجیب عجیب حرکتیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض وقت لڑائی جھگڑے پر بھی آمادہ ہو جاتی تھیں ان کے اس سلوک سے ہر عورت تنگ تھی۔ ان کی طرح اور بیگمات جو پردے میں رہتی تھیں اور ان سے میری ملاقات نہیں ہو پاتی تھی وہ بھی بے حد جلتی تھیں یہی وجہ ہے کہ چند روز سے پریوں کی آرائش و زیبائش میں فتور ہونے لگا آخر میں نے مجبور ہو کر پریوں کی آرائش کا کام بیگمات محل سے واپس لے لیا اور یہ خدمت داروغہ محمد حسین علی خاں کے سپرد کی اور ساتھ ہی اسے محمد معتمد علی خاں کے خطاب سے

ملقب کیا۔ اس نے یہ خدمت بخوشی منظور کی اور بڑی تن دہی سے اس کی انجام دہی کرتا رہا۔ میں بھی اس کی محنت کی قدر کرتا تھا اور اپنی عنایتوں کا اس کو مستحق سمجھتا تھا شروع روز سے آج کے روز تک اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ البتہ ایک خطا کی تھی جس کا ذکر آئندہ موقع پر آئے گا۔

۶۳

خواجہ سرا ریحان

محمد معتمد علی خاں خواجہ سرا نے ریحان نام کے ایک شخص کو لا کر اس کی سفارش کی میں نے بخوشی اس کی درخواست منظور کر لی اور نوکر رکھا اور اخبار نویسی کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

یہ شخص پہلے سیف الدولہ میر ہادی کی زوجہ کے ہاں خواجہ سرا کی خدمت پر نوکر تھا یہ حلبی نسل کا دبلا پتلا منکسر المزاج اور کم سخن شخص تھا جس میں غرور نام کو بھی نہیں تھا اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ میں نے محمد ریحان علی خاں کا خطاب عنایت کیا وہ اپنی خدمت نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا جس کی وجہ سے وہ الطاف سلطانی کا مستحق ہوا۔

۶۴

ترک ہوا دنیاں

محمد معتمد علی خاں کے ذریعہ سے ایک شخص حاجی شریف نامی میرے ہاں ملازم ہوا

یہ شخص اس سے قبل سیف الدولہ میر ہادی کی سرکار میں خواجہ سرا کی خدمت پر مامور تھا
اس کی عمر بھی تقریباً چالیس سال کے تھی بڑا نیک اور صلح جو آدمی تھا کبھی کوئی ایسا کام
کیا جو میری طبیعت کے خلاف ہو میں جو کہتا فوراً تعمیل کر دیتا۔ حاجی محمد شریف علیخاں
کا خطاب دیکر زنان خانے کے داروغہ کی خدمت اسے عطا کی گئی۔ اس نے اپنا کام
نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

اس زمانہ میں میری خواہش تھی کہ اپنے گھر پر سپاہیوں کا پہرہ مقرر کروں لیکن
محدود آمدنی اور بے پناہ مصارف کی وجہ سے مجبور تھا نیز والد ماجد کی ممانعت بھی
تھی آخر مجبوراً اتیس عورتوں کو زنان خانہ کی چوکی کے لئے ملازم رکھا گیا ان عورتوں
کو روزانہ فارسی زبان میں قواعد کی تعلیم کا انتظام بھی کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے
ہی دنوں میں وہ ایسی ماہر اور قواعد داں ہو گئیں کہ انگریزی قواعد بھی میری نظر میں
بے وقعت ہو گئی ہر ایک عورت لباس کی تزئین اور اسلحہ کی صفائی میں انگریزی فوج
کی مدمقابل ہو گئی اس کے علاوہ پچاس ترک سوار بھی میں نے نوکر رکھے تھے، انہیں بھی
فارسی میں مذکورہ سپاہی عورتوں کی طرح تعلیم و قواعد دی جاتی تھی ترک سواروں کا
یہ دستہ بھی انگریزی فوج سے بدرجہا بہتر تھا۔ حاجی محمد شریف علی خاں کو ان
دونوں دستوں کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا اور ساتھ ہی جانب سرکار مرزا دلی
عہد بہادر کرنل حاجی محمد شریف علی خاں کا خطاب دیکر اسے ممتاز کیا گیا۔ حقیقت
میں کرنل مذکور بڑی جانفشانی اور کوشش سے قواعد کی تعلیم دیتا رہا قواعد
کے گھوڑوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ لوہے کی کوئی دیوار ایستادہ ہے
اس شخص نے سپاہیوں سے کبھی ایک پیسہ بھی رشوت کا نہیں لیا اس کا رعب و
داب بھی ایسا تھا کہ قواعد کے دوران کیا مجال کہ ایک سپاہی دوسرے
سپاہی سے بات کرے۔

۶۵

عتبات عالیات

والد ماجد حضرت جنت مکان نے محمد بشیر علی خاں اور فیروز علی خاں کے علاوہ ایک اور خواجہ سرا مسمی بلال بھی عنایت فرمایا تھا جو فی الحال کسی کام پر مامور نہ تھا ایک روز مسمی مذکور نے عرضی بھیجی کی جس میں زیارات عتبات عالیات کے لئے رخصت کا خواستگار ہوا۔ میں نے عرضی منظور کی اور زادِ سفر کے لئے نقد دو ہزار روپے بھی عنایت کئے اس کے بعد اطلاع ملی کہ یاسمن پری، ماہ رخ پری اور سردار پری بھی زیارت کے لئے رو رہی ہیں میں نے چونکہ ان پریوں کو بڑی جستجو اور خرابی کے بعد حاصل کیا تھا اس لئے ان کو دور دراز سفر پر بھیجنے کے لئے تیار نہ تھا اور مجھے یقین نہ آتا تھا کہ ان عورتوں کی ایسی تمنا کیوں لیکن جب میں نے ان کو اپنے سامنے طلب کرکے پوچھا تو یقین ہو گیا ان کی اس بے وفائی سے مجھے بڑا دکھ ہوا اور ہر ایک سے میں نے ان کی بیوفائی کا تذکرہ کیا آخر مجھے بڑا غصہ آیا اور ان کی سکونت کے لئے ایک الگ مکان تجویز کیا اور ان کو اپنے سامنے کبھی نہ آنے دیا لیکن اس کا مجھے بڑا رنج تھا۔

اس دوران میں بلال خواجہ سرا حج و زیارات سے مشرف ہو کر واپس آ گیا چھ ماہ کے بعد دوبارہ کربلائے معلیٰ جانے کی درخواست کی میں نے اس کی یہ درخواست بھی بخوشی منظور کی اور اس دفعہ بھی دو ہزار روپے کی رقم عنایت کی ساتھ ہی ان تینوں پریوں کو بھی کربلائے معلیٰ جانے کی خوشی سے اجازت دیدی اور سفر خرچ کے لئے چار ہزار روپے دیئے یہ اس لئے کہ اب ان کو گھر میں رکھنا دانشمندی کے خلاف

تھا لیکن خدا معلوم ان کے دل میں کیا آیا کہ جانے میں پس و پیش کیا۔ ظاہر میں اس کا یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ اپنے اسی ارادے کے باعث میری معتوب ہوئی تھیں اس لئے اب وہ کربلائے معلی جاتے ہوئے ہچکچاتی ہیں آخر کار اس دفعہ بھی ملال خواجہ سرا اکیلا ہی روانہ ہوا اس روانگی کے بعد سے ان تینوں پریوں سے مجھے بڑی نفرت پیدا ہو گئی اور ان کی عزت و توقیر پہلے کی طرح نہ رہی۔ ظاہر ہے اب ان سے رشتہ محبت قطع کرنا ناگزیر تھا۔ لیکن انہوں نے مختلف قسم کے ہتھکنڈے مجھے پھانسنے کے اختیار کئے لیکن میں ہر دفعہ چوکنا ہی رہا اور کسی قیمت پر بھی انہیں قبول کرنے پر تیار نہ ہوا صرف اتنا تھا کہ وہ تعلیم خانہ میں تعلیم دینے کی غرض سے آتی تھیں ان کا رتبہ دوسری پریوں سے کم تو نہ تھا لیکن میں ان پر کبھی التفات نہ کرتا تھا اور ان کی بے وفائی ان کی صورت دیکھتے ہی یاد آ جاتی تھی۔

یہ یاسمن پری وہی تھی جس سے بے پناہ محبت اور والہانہ الفت اور اس کے فراق میں گریہ کناں ہونے کی روداد میں پہلے قلم بند کر چکا ہوں غضب خدا کا کہ اس کا اب یہ حال ہو گیا۔

سردار پری اس وقت ابھی تیرہ سال کے سن میں تھی میرا خیال تھا کہ وہ دوسروں کے بہکاوے میں آ گئی ہے اور میرا یہ خیال کچھ غلط نہ تھا وہ بالکل بے قصور تھی اس وقت وہ دنیاوی معاملات سے قطعاً ناواقف تھی اور مردوں کی صورت سے بھاگتی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ جب وہ مجھ سے مانوس ہو جائے گی اور سن شعور کو پہونچے گی میری دالہ و شیفتہ ہو گی لیکن ماہ رخ پری اور یاسمن پری سے بے حد نفرت ہو گئی اگرچہ یہ عورتیں جوان و خوبصورت تھیں اور بہ رضا و رغبت میرے گھر پڑی تھیں لیکن یہ ماضی کی باتیں ہیں ماہ رخ پری میری محبت میں کیسی دیوانی ہو گئی تھی اور اپنے ایک رشتہ دار کو کیسا سخت جواب دیا تھا جس کی بنا پر اسے راضی

نامہ لکھ دیا تھا لیکن اب وہی عورت اپنی تلون مزاجی کے باعث اس نوبت کو پہنچی۔

۶۶

نور افشاں پری

نواب خاص محل صاحبہ کے حسن توسط سے اسی زمانہ میں ایک عورت آئی اور میرے گھر پڑی نور افشاں پری کا اس کو خطاب بخشا گیا پھر مجھ سے اجازت لے کر زیارت عتبات عالیات کو روانہ ہوئی۔

۶۷

مصاحب اور مذہب امامیہ

رفتہ رفتہ چونکہ میرے تعلقات اور رابطۂ اتحاد امامن کے رشتہ داروں غلام رضا وغیرہ سے بڑھتے ہی جاتے تھے اور یہ تمام مذہب سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے اس کے علاوہ میرے استاد قطب علی خاں بھی اس فرقہ سے متعلق تھے اس لئے شب و روز میں اسی فکر میں رہتا کہ یہ لوگ بھی اگر میرا مذہب اختیار کرلیں تو نہایت خوشی کا باعث ہے بعض وقت میں ان لوگوں کا رجحان معلوم کرنے کی کوشش کرتا تو محسوس ہوتا کہ یہ اپنے مذہبی معتقدات پر سختی سے پابند ہیں جنھیں ترک کرنا نہیں چاہتے۔

برسات کا موسم تھا ایک روز میں نے نہایت عاجزی اور خوشامد سے اور کچھ لالچ دے کر انہیں اپنا مذہب بدلنے کے لئے کہا شاید خدائی مرضی تھی کہ یہ کار خیر میرے ہاتھوں سے انجام کو پہنچے سارے لوگوں نے میری بات مان لی پھر اسی وقت

میں نے سواری کا انتظام کر کے ان کو مجتہد وقت سلطان العلما مولوی سید محمد کی
خدمت بابرکت میں روانہ کر دیا وہاں جا کر یہ سب لوگ صدق دل سے مذہب
امامیہ میں داخل ہو گئے اور آتے ہوئے اپنے ساتھ سلطان العلماء کا خط بھی لائے جو
ان لوگوں کے دین مبین سے مشرف ہونے کے متعلق تھا جب میں نے یہ خط دیکھا
تو مجھے بڑی خوشی ہوئی اور سب کو خلعتوں اور خطابوں سے مشرف فرمایا خطابات
کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

قطب علی خاں کو غلام ید اللہ خاں

ببھو خاں پدر غلام رضا خاں کو غلام علی خاں

گھمن خاں برادر نسبتی غلام رضا خاں کو غلام حسن خاں۔

پھر ان لوگوں نے بھی قول دیا کہ ہم حضور والا کے غلام ہو گئے اور متوقع ہیں
کہ تا حیات آپ کے قدموں سے الگ نہ ہوں۔ میں نے اسی وقت یہ الفاظ سنتے ہی
اپنے سینے پر ہاتھ رکھا جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان کی درخواست قبول
کر لی چنانچہ ہر وقت میں ان کا سب سے زیادہ لحاظ رکھتا تھا جہاں تک مجھے یاد
ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کی پاسداری میں اب تک کوئی کوتاہی
نہیں کی جزاکم اللہ فی الدارین خیراً۔

۶۸

مصاحبوں کا امتحان

ایک روز میں حضرت باغ میں تھا۔ ہر طرف باران رحمت آب پاشی کر رہا تھا
رنگ برنگے پھول کھلے تھے گل شبو کا تختہ اپنی عطر بیز خوشبوؤں سے مشام جان

کو معطر کر رہا تھا دو ایک گھڑی دن باقی تھا میں بنگلۂ فلک سیر میں بیٹھا ہوا تھا
مصاحبین خاص و رفیقان اختصاص یعنی غلام رضا خاں چھجو خاں ثابت علیخاں غلام
ید اللہ خاں وغیرہ حاضر تھے ہر آدمی رنگین حکایات و دلچسپ واقعات پر لطف لطیفوں سے
میرا دل بہلا رہا تھا ادھر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ وقت اچھا ہے اس وقت ان لوگوں
کی جاں نثاری کا امتحان لینا چاہئے یہ سوچ کر ایک آدمی کو قریب بلایا اور اس
کے کان میں چپکے سے کہا کہ ایک بہروپیہ کو میرے پاس بھیجدے جو ظاہر میں زخمی معلوم
ہوتا ہو اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے ہو تو خاموش تماشا دیکھتا رہ مجھے یہ دیکھنا
ہے کہ یہ لوگ کتنے جان نثار ہیں یہ حکم سن کر وہ آدمی روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بہروپیہ
ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے زینے کے راستہ اوپر برآمد ہوا اور اس کے جسم سے خون
جاری تھا آتے ہی اس نے مجھ پر حملہ کر دیا میں بناوٹ سے کام لے کر ہراساں و پریشان
ہو گیا۔ میری جو یہ حالت دیکھی تو غلام رضا خاں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا ہاتھ
تھام لیا اور چھجو خاں نے اس کی کمر پکڑ لی اور چاہتا تھا کہ اسی کی تلوار سے اس کا
خاتمہ کر دے میں نے جب ان کے یہ تیور دیکھے تو گھبرا گیا کہا ٹھہرو ٹھہرو! یہ بہروپیہ
ہے اسے ہرگز نہ مارو ادھر بہروپیہ بھی چیخنے لگا کہ میں نقال ہوں۔ یہ سن کر ان لوگوں
نے اس کو فوراً چھوڑ دیا بعد میں دیکھا کہ بہروپیہ کو اس کشمکش میں شدید قسم کے زخم
آ گئے تھے میں نے بہروپیہ کو معقول انعام دیا اور اسی وقت نوکر بھی رکھ لیا۔ اور
ان جاں نثاروں کو پانچ پانچ سو روپے انعام عنایت کیا۔ نیز ہر ایک کو ایک ایک
شمشیر ایک ایک سپر اور ایک ایک سات ضربی طپنچہ اور ایک ایک بندوق بھی دی اسکے
علاوہ مصاحبان خاص و جوانان پہرہ خطاب مرحمت فرمایا اور انہیں اپنے بستر استراحت
کے پہرے کی خدمت پر فائز کی اس روز کے بعد سے جب میں استراحت کے لئے کمرہ
استراحت میں جاتا مصاحبان خاص پہرہ دیتے اگر میں کبھی محل میں سوتا تو بطور خاص

وہاں مردانہ ہوتا اور وہاں بھی مصاحبان خاص ہی کا پہرہ لگا دیا جاتا۔

۶۹

مرزا برجیس قدر کی پیدائش

اسی مسرت آگیں زمانہ کی بات ہے کہ ایک روز قاصد لیل و نہار نے ایک گل تازہ کی آمد کا مژدہ سنایا اور میرے کانوں میں یہ خبر فرحت اثر پہنچی کہ مہک پری حاملہ ہے میں نے یہ خبر سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور مہک پری کو پردے میں بٹھایا اور اس کو افتخار النساء کے خطاب سے ملقب کیا ایام حمل گزرنے کے بعد لخت جگر فرزند ارجمند تولد ہوا اس کے دادا نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور گیارہ توپ کی سلامی دلوائی اور لڑکے کو مرزا برجیس قدر بہادر کا خطاب عنایت کیا ادھر میں نے ایک جشن کا اہتمام کیا جہاں شیریں ادا نے رقص و سرود کا خوب مظاہرہ کیا اس جشن میں ہر ایک پری نے اپنے آپ کو دلہن کی طرح سجایا جب پریاں ناچتی تھیں تو ان کی ایک ایک گت پر واہ واہ کی آواز بلند ہوتی تھی۔

۷۰

جہاں آرا بیگم کی پیدائش

پھر ایک اور خوشخبری میرے گوش گزار ہوئی کہ نفضہ جلبتی کے حاملہ ہونے کی اطلاع ملی میں نے فوراً درگاہ باری تعالیٰ میں سجدۂ شکر ادا کیا اور نفضہ جلبتی کو پردہ میں بٹھا دیا۔ حمل کی مدت گزرنے کے بعد گوہر مراد پیدا ہوئی حضرت جنت مکاں یعنی لڑکی کے

دادا نے جہاں آرا بیگم صاحبہ اس کا نام تجویز فرمایا۔ طال اللہ عمرہٗ۔

۷۱

یاسمن پری اور سرفراز پری کا ایک واقعہ

ایک وقت یاسمن پری اور سرفراز پری کے متعلق یہ گمان ہوا کہ انہیں حمل قرار پایا ہے اور میں نے قاعدے کے مطابق ان کا پردہ کروا دیا۔ لیکن چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ محض گمان تھا پھر انکا پردہ توڑ کر باہر لایا گیا اور وہ رقص و سرود کی تعلیم میں مصروف ہو گئیں۔

۷۲

حور پری کی زچگی

اس کے بعد خبر ملی کہ حور پری حاملہ ہے اس خبر سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن چونکہ ایک دفعہ یاسمن پری اور سرفراز پری کے سلسلہ میں زک اٹھا چکا تھا اس لئے مجھ زیادہ یقین نہ کیا پانچ مہینے کے بعد اس کو پردے میں بٹھایا گیا لیکن اس عورت کو پردے میں بیٹھنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ میں بہت کچھ اسے سمجھاتا تھا لیکن وہ ہر وقت روتی رہتی تھی مجھے خیال ہوا کہ شاید میری مفارقت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ میرا محض خیال تھا۔ ہر طرح میں تسلی دلاسہ دیتا لیکن وہ منہ پھٹ ہو کر کہتی میں کسی طور پر بھی پردہ نہیں کروں گی اگر مجھ کو اسی طرح مجبور کیا گیا تو میں حمل گرانے سے بھی دریغ نہ کروں گی میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ ناحق کسی کی جان لینا بہت بڑا گناہ ہے غرض کہ سات ماہ کے بعد ہی وضع حمل ہوا اور لڑکا پیدا ہوا لیکن افسوس کہ صرف چالیس روز

زندہ رہ کردہ فوت ہوگیا۔ میں نے حورپری کو خلعت ماتم دے کر ناچ گانے کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دیدی لیکن بہ ظاہر وہ مردوں کے سامنے آتے ہوئے رونی تھی اور اندر ہی اندر باہر آنے کے لیے مری جاتی تھی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

۷۳

حیدری کا حاملہ ہونا

داروغہ نجم النساء بیگم نے انتقال کرتے وقت دو کنیزیں اپنے پیچھے چھوڑی تھیں ان میں سے میں نے ایک کا نام حسن اور ایک کا نام حیدری تجویز کیا۔ حسن کو غلام حیدر کے عقد میں دے دیا اور حیدری کو خود اپنی خواصوں میں شامل کر لیا۔ چند روز کے بعد اس کے حمل ٹھہرا۔ مجھے سخت تعجب ہوا اور غصہ سے بھرا ہوا کوڑا ہاتھ میں لے کر حقیقت معلوم کرنا چاہی لیکن مختلف لوگوں کے نام بتاتی تھی جب میں نے اس کو ڈرایا کہ اگر صحیح صحیح نہ بتایا تو اس کوڑے سے درگت بناؤں گا تو اس نے جرم کا اقبال کیا اور کہا کہ مجھے ثابت علی خاں سے حمل ہے یہ بات میرے لئے ناقابل برداشت تھی فوراً ان چاروں بھائیوں کو طلب کر کے پوچھا وہ میرے قدموں میں گر گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کا ثبوت مل جائے کہ یہ فعل ہمارا ہے تو ہم حضور کے آگے اپنے سر کٹانے کو تیار ہیں خدا جانے یہ کس کا حمل ہے ہم پر سراسر یہ بہتان ہے اتنا کچھ شرمندہ ہونے اور ان چاروں بھائیوں کے رونے پیٹنے کے بعد یہ طے ہوا کہ یہ آتش فساد حیدری کو نکال دینے کے بعد ہی فرو ہو سکتی ہے اسکا ایک بھائی حمید میرے ہاں فراشوں کے زمرے میں ملازم تھا اور اسے داروغہ نجم النساء بیگم نے گود لے لیا تھا۔ میں نے حیدری کو اس کے حوالے کر دیا اور ان چاروں کا قصور معاف کیا۔

۷۴

بلقیس پری

نواب خاص محل صاحبہ کے کہنے سے ایک عورت کو میں نے گھر ڈال لیا اور پریوں کے زمرے میں داخل کر کے بلقیس پری کا خطاب عنایت کیا لیکن وہ بڑی بد طینت عورت تھی ایک روز موقع پا کر مرزا فلک قدر بہادر کے چاندی سونے کے تعویذ جو کہ نواب خاص محل صاحبہ نے جان کی حفاظت کے لئے گلے میں ڈال رکھے تھے چرا لئے اس نازیبا فعل کی وجہ سے بڑی ذلت سے نکالی گئی اگرچہ اسے میری سرکار سے معقول تنخواہ ملتی تھی لیکن وہ اپنی بدعادت سے باز نہ آئی اور ذلیل ہو کر نکلی بعد میں سنا ہے کہ وہ میرے کسی محل کے پاس نوکر ہے۔

۷۵

سرفراز پری سے عشق

جس وقت سرفراز پری میرے گھر پڑی۔ میں اس کے تیغ ابرو کا گھائل ہو گیا۔ ہر لمحہ اس کا ناوک مژگاں میرے دل میں اترا ہوا تھا اس کی ہر ادا پر غم کی سل اپنے سینے پر رکھے رہتا۔ جہاں اس نے کچھ ناز و غمزہ دکھایا۔ وہاں مجھے ہزار طرح رنج کھینچنے پڑتے تھے۔ جب وہ رقص کرتی تو میں رو پڑتا جب وہ گاتی تو میں اپنا سر گھٹنوں کے بیچ جاتا جس وقت وہ حصول تعلیم میں مشغول ہوتی تو میں اس کی دلستان اداؤں میں کھو جاتا وہ سوتی رہتی میں جاگتا رہتا اور جب جاگتی تو میری قدر کرنے کے بجائے ناانصافی کا سلوک

کرتی اور کبھی کہ آپ تو فلاں کو چاہتے ہیں۔ فلاں سے زیادہ عشق کرتے ہیں۔ میں رات رات بھر اس کے پاؤں دبایا کرتا۔ تمام دن صرف اسی کو تاکا کرتا۔ اگر وہ کوئی معمولی سی چیز بھی کھانے کھاتے مجھے دیدیتی تو میں بلا پس وپیش اسے کھا لیتا جس طرف جاتی میں بھی اسی طرف ہو لیتا۔ اگر وہ کہیں بیٹھی رہتی تو میں کھڑا رہتا غرض کہ اس نے مجھے اپنا عاشق بنا لیا تھا۔ دن بھر میں وہ کئی مرتبہ طرح طرح کے لباس تبدیل کرتی تھی۔ ہر وقت عطر میں بسی ہوئی۔ دانتوں میں مسی کی دھڑی ہونٹوں پر پان کی لالی اور ماتھے پر افشاں چنی ہوتی تھی اپنے بال کبھی وہ گھونگھر والے اور کبھی کبھی سیدھے بنا لئے رکھتی تھی ہاتھوں میں مہندی لگی ہوتی اور انگلیوں میں خوبصورت انگوٹھیاں۔

ایک روز داروغہ نجم النساء بیگم مرحومہ نواب خورد محل عمدہ بیگم صاحبہ اور نواب نشاط محل بیگم صاحبہ نے آپس میں اتفاق کرکے شہنشاہ منزل کے کمرے میں مجھے الگ بلایا میں جب ان کے سامنے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تینوں کچھ کہنا چاہتی تھیں میں نے کہا کہو کیا کہنا چاہتی ہو اس کے بعد وہ تینوں میرے اور سرفراز پری کے تعلق کے سلسلہ میں باتیں کرنے لگیں اور ساتھ ساتھ کچھ تاسف آمیز جملے بھی کہتی جاتی تھیں وہ کبھی اپنے زانو پر ہاتھ مارتیں کبھی اپنے ہونٹ دانتوں کے تلے دبا لیتیں بالآخر میں پریشان ہو گیا اور کہا کہ خدا کے لئے تم لوگ کیا کہنا چاہتی ہو جلد کہو تاکہ میرے دل کی بے چینی دور ہو۔ میں جلد سے جلد ان لوگوں کا مقصد معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اسی طرح پس وپیش کر رہی تھیں۔ آخر میں نے بیزار ہو کر اپنے سر کی قسم دی اس کے بعد داروغہ نجم النساء بیگم مرحومہ نے یوں سلسلہ کلام جاری کیا کہ اے جان عالم سرفراز پری پر تو آپ اس قدر جان دیتے ہیں لیکن سرفراز پری کے متعلق عجیب و غریب خواہیں سنی جاتی ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا آگے کچھ اور بھی بیان کرو اس طرح ادھوری بات کہہ کر کیوں مجھے الجھن میں ڈالتی ہو پھر داروغہ نجم النساء بیگم اور وہ دونوں محلات یک زبان ہو کر عرض کرنے لگیں کہ اے

جانِ عالم ہم آپ پر صدقے جائیں عورت میں نظر آتا کچھ نہ کچھ کمزوری ہوتی ہے ایسی نابکار جنس میں مروت نام کو بھی نہیں اگر آپ رنجیدہ نہ ہوں تو عرض کرتی ہوں کہ سرفراز پری ظاہر میں تو آپ سے بے انتہا محبت کرتی ہے لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو اس کو آپ کی ذرا سی بھی پرواہ نہیں۔ یہ الفاظ جب میں نے سرفراز پری کے بارے میں سنے تو میرا رنگ فق ہو گیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے دل کو تھامے ہوئے تڑپنے لگا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ تم سب شاہد ہو کہ میں نے سرفراز پری کی پرستش میں کبھی کوتاہی نہیں کی ایسی صورت میں آخر وہ کیوں مجھ سے بے وفائی پر آمادہ ہے پھر یکایک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ساری محلات چونکہ سرفراز پری سے حسد کرتی ہیں کیا تعجب کہ یہ محض اس پر اتہام ہو لہذا میں نے خود انہیں سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ مجھے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے ان لوگوں نے کہا۔ چند روز آپ تامل فرمائیں ہم انشاءاللہ اس کی ساری بے وفائی کے سلوک آپ کو دکھا دیں گے۔

ایک روز میں نے تمام پریوں کو اکٹھا کیا اور دست بستہ ہو کر عرض کیا اے میری ہم نشینو میں نے تم میں سے کسی کو بھی زبردستی اپنے گھر میں نہیں رکھا۔ کوئی میرے عشق میں مبتلا ہو کر آئی ہے کوئی مجھے خواب میں دیکھ کر فریفتہ ہوئی ہے کسی نے مجھے بازار سے گزرتے ہوئے دیکھ کر دل پر چوٹ کھائی ہے اور کسی نے خود میرے گھر میں مجھ سے اپنی محبت کا آغاز کیا ہے کسی نے رقص میں اپنے کو کھو دیا ہے اور کوئی گانے بجانے میں سب کچھ بھول بیٹھی ہے پس چند روز سے بڑی پریشان کن خبریں سننے میں آرہی ہیں خدانخواستہ ایسی صورت نہ پیدا ہو کہ میں تصویر حسرت بن کر رہ جاؤں بس یہ چند جملے میں نے کہے اور اس کے ساتھ ہی بے اختیار میں رونے لگا اور سرفراز پری کی طرف منہ کر کے کہا خدا جانتا ہے کہ میری ہر راحت تمہارے اختیار میں ہے میں نے تمہیں قید کر کے نہیں رکھا ہے لہذا جو جی چاہے کر سکتی ہو میں تمہاری ہر تمنا پوری کرنے کو تیار ہوں تمہاری

جو خواہش ہو بے تامل ظاہر کرو۔ میں اس کو پورا کروں گا۔ مختصر یہ کہ میں تم سب محلات کا تابع ہوں لیکن خدا کے لئے کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے نمک حرامی کا داغ تمہارے دامنوں پر نمایاں ہو۔ یہ تقریر سن کر سب عورتیں قسمیں کھانے لگیں اور یوں گویا ہوئیں کہ ہماری آنکھیں پھوٹ جائیں جو ہم نے تمہاری خوشنودی خاطر کے علاوہ کوئی اور کام کیا ہو۔ خاص کر سرفراز پری اور حور پری سب سے زیادہ قسمیں کھا رہی تھیں میرے آنسو تھمتے ہی نہ تھے آخر میرے دل میں سلگتی ہوئی آگ بجھ گئی لیکن فکرمند رہا۔

۷۶

مصاحبین خاص کا اجتماع

مذکورہ واقعہ سے میں بہت متاثر تھا ہر وقت دل پر ایک غبار الم چھایا رہتا تھا ایک روز میں نے اسی پیچ و تاب کے عالم میں شہنشاہ منزل میں تمام مصاحبوں اور محلات کو طلب کیا اور اپنے دل کی کل کیفیت ان سب کے سامنے بیان کر دی داروغہ نجم النساء بیگم اور دوسری محلات کے اس انکشاف کے بعد مجھ سے ضبط نہیں ہوتا تھا۔ میری گفتگو سن کر تمام لوگوں نے گندی گندی قسمیں کھائیں اور کہنے لگے سرکار والا تبار بعض سنی سنائی باتوں پر ہمارے متعلق بدگمانی درست نہیں ہے ہم اپنے سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈالنے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔ میں نے پھر کہا۔ عزت و توقیر خدا کی دین ہے ایسی صورت میں یہ نہ ہو کہ تمہاری پیشانیوں سے کوئی داغ عیاں ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ عین نمک حرامی ہو گی جب سب نے پوچھا کہ اس قسم کی آپ کو اطلاع دینے والا کون ہے تو میں نے نہایت صفائی سے ان محلات کا اور داروغہ نجم اللہ کا نام ظاہر کر دیا۔ اس روز کے بعد سے ان لوگوں میں کافی ٹھنی رہتی ہے اور مرتے دم

تک آپس کی چپقلش دور نہ ہوئی۔

ان لوگوں کے انکار کے بعد میں نے سب کا قصور معاف کیا لیکن میرے دل سے اس کی کھٹک نہ گئی افسوس کہ میں نے کچھ دن اور صبر سے کام نہ لیا ورنہ کیا عجب کہ میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیتا۔

"

میر احمد علی اور میر گوہر علی

اسی زمانہ میں میر احمد علی مرثیہ خواں اور اس کا فرزند میر گوہر علی میری سرکار میں آکر ملازم ہوئے یہ دونوں شخص دھرپد کا راگ گانے میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے گوہر علی چونکہ موسیقی میں میرا استاد بھی تھا اس لئے میری سرکار میں وہ معزز اور بارسوخ ہو گیا تھا رفتہ رفتہ وہ سب سے زیادہ میری صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگا نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں خلوت میں ہوں کہ جلوت میں وہ بے دھڑک باریاب ہو جاتا اسے کوئی روک ٹوک نہ تھی اور اسے جو کچھ کہنا ہوتا وہ صاف کہدیتا تھا اور میں اسکی ہر عرض کو فوراً قبول کر لیتا تھا ایک روز اس نے ایک عرضداشت تحریر کر کے میرے ملاحظہ میں پیش کی اسکے الفاظ یہ تھے:۔

جہاں پناہ! آستاں بوسی کے بعد عرض کرتا ہوں کہ پریوں کے حالات خانہ زاد سے دیکھے نہیں جاتے میں متوقع ہوں کہ حضور والا دریافت حال میں تاخیر نہ فرمائیں گے اس کے بعد خود اعلیٰ حضرت پر سارے واقعات ظاہر ہو جائیں گے۔

یہ عرضی پڑھ کر مجھے بڑا غصہ آیا کہ پریاں اس قدر زبردست زدوبد اور محنت کے بعد پھر انھیں حرکتوں پر اتر آئی ہیں غرض کہ میرے دل پر جو پرانا داغ تھا وہ پھر سے

تازہ ہوگیا۔ پریوں اور مصاحبوں کے اجتماع میں جس میں گوہر علی بھی موجود تھا میں نے سب کو مخاطب کرکے بڑی ملامت کی لیکن ان لوگوں نے توبہ کی اور سر پیٹنے لگیں۔ سرفراز پری اور حور پری نے عرض کیا اگر ایسا کوئی آدمی ہے جو حضور کی نمک حرامی کرتے ہوئے دیکھے تو وہیں ہمارا ہاتھ پکڑ کر دکھادے تب ہم اپنا قصور تسلیم کریں گے جب تک کہ حضور خود اپنی آنکھوں سے ہماری کوئی نازیبا حرکت ملاحظہ نہ فرمائیں کس طرح یقین کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہمارے قصور ثابت کرنے کا مدعی ہو تو اس کو چاہئے کہ اعلیٰ حضرت کو بھی مشاہدہ کرائے۔ یہ تقریر سن کر میں خاموش ہوگیا آخر میں نے گوہر علی کو اسی بنا پر نوکری سے نکال دیا کہ ممکن ہے اس سلسلہ میں وہ کوئی چال چل رہا ہو لیکن پھر بھی میری تشفی نہ ہوتی تھی اور طرح طرح کے خیالات اور اندیشے میری جان کھائے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں چند روز بعد خفقان کا مریض ہوگیا اور بعض وقت دن دن بھر اختلاج سے میرا دل دھڑکتا رہتا تھا لیکن چونکہ ابھی عنفوان شباب کا زمانہ تھا اس کے علاوہ پریوں کے ناچ گانے میں طبیعت بہل جاتی تھی اس لئے اس مرض کے اثرات کم ہوئے پھر بھی دل بڑا اداس اداس سا رہتا تھا اس لئے کہ ایسا کوئی رفیق ہی نہ تھا جس سے میں اپنا حال دل کہہ کر دل کا بخار نکالتا جن مردوں کو میں نے اپنا رفیق سمجھا تھا وہ ایسے نکلے۔ ہمدم و مونس عورتوں کا یہ حال۔ ماں باپ تو کبھی پوچھتے بھی نہ تھے۔ محلات ایسے کہ ان سے شرم آتی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں اس زمانہ میں میں اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ اٹھنا بیٹھنا بھی میرے لئے دوبھر تھا۔ بیٹھے بیٹھے نماز ادا کرتا تھا مسلسل تین مرتبہ۔ ایسا بیمار پڑا کہ کامل چھ ماہ تک اٹھ نہ سکا اللہ رحم کرے۔

٭

۶۸

معشوق خاص سے عشق

سرفراز پری کی بے وفائی جب انتہا کو پہنچ گئی تو اس سے میرا ولولۂ عشق بھی کم ہونے لگا اور اس کا اتنا زبردست صدمہ تھا کہ میں پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگا کبھی جنگل کی طرف نکل جاتا تو کبھی دریا کی سیر کو چل پڑتا۔ غرض کہ عجیب عجیب وسوسے میرے دل میں پیدا ہوتے تھے اور میں اسی حزن و ملال کے عالم میں گھر واپس ہوتا تنہائی میں اس بیوفا کو یاد کرکے روتا اور کبھی اپنی صورت آئینہ میں پہروں دیکھا کرتا۔

ایک روز رنگ پری نے میری اندرونی حالت کو محسوس کرکے اظہار تاسف کیا اس عورت نے میری بڑی خدمت کی ہے خدا اس کو اچھا رکھے۔ وہ یوں گویا ہوئی جان عالم میں آپ پہ تصدق جاؤں۔ آخر آپ کس بات پر اس درجہ ملول ہیں۔ میں نے جواباً کہا اے معشوقۂ باوفا سرفراز پری نے میرے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ تم جانتی ہی ہو۔ تم کو اگر اس کے اصلی اسباب کا علم ہو تو مجھے بتاؤ تا کہ میرے دل کی خلش دور ہو اس نے ایک روز قہقہہ لگا کر کہا۔ اے میرے نادان۔ میں اس مکار عورت کے گر جانتی ہوں لیکن آپ کو چاہئے کہ اس قدر رنج نہ اٹھائیں۔ اپنی روح کو تازہ گلاب کی طرح شگفتہ و تازہ رکھنا چاہئے خدا نے چاہا تو اس کی ساری فریب کاریاں ایک روز آپ کو دکھا دوں گی پھر میں نے کہا اے معشوقۂ باوفا جو کچھ جانتی ہو اسوقت بتادو۔ اس پر اس نے سرفرازپری کے وہی واقعات سنائے جو اس سے قبل میرے گوش گزار ہو چکے تھے اس بیان سے مجھے اور زیادہ تکلیف ہوئی کہ یا اللہ آخر ماجرا کیا ہے سامنے تو شیفتگی اور پیچھے ایسی بے وفائی۔ اسی صحبت میں رنگ پری سے میں نے ایک ایک

پری کے حالات دریافت کئے اس نے ایسے ایسے واقعات سنانا شروع کئے کہ میں دنگ رہ گیا اور اسی وقت سے تمام پریوں سے مجھے نفرت ہونے لگی اور معشوقہ خاص رشک پری سے دل بستگی پیدا ہو گئی چونکہ اب وہ میری مونس و شفیق پری تھی اس لئے ہر بار میں اس سے صرف اسی موضوع پر گفتگو کرتا تھا۔

اس میں شک نہیں بعض اوقات وہ رشک و حسد کی بنا پر آپے سے باہر ہو کر سرفراز پری اور دیگر پریوں کی شکایتیں کرتی تھی لیکن پھر بھی اس کی محبت کا جادو مجھ پر چل چکا تھا اور اس کے ایک ایک جملے میں سو سو بار قربان ہونے لگا یہاں تک کہ میں ان کی ملاقاتیں تک لیتا تھا اور اس سے کہہ رکھا تھا کہ اے معشوقہ خاص یہ راز اگر تم مجھ پر ظاہر کردو تو میں تمہارا بندہ بے دام ہو کر رہ جاؤں گا چنانچہ اس نے وعدہ کیا کہ میں تمام حالات معلوم کرکے رہوں گی اور اس کے بعد سے ہر ایک کی ٹوہ میں لگی رہی۔

۷۹

سرفراز پری کے حالات کا انکشاف

ایک رات دلدار پری میری صحبت میں تھی تنہائی پاکر اس نے سرفراز پری کی فریب کاریوں اور کج ادائیوں کا تذکرہ چھیڑا اور کہا اے جان عالم آپ بھی بڑے نادان ہیں عورتیں کچھ کا کچھ کر رہی ہیں اور آپ ان کے عشق میں غافل ہوئے ہیں خدا کے واسطے اب تو آنکھیں کھولئے اور دیکھئے کہ کیا ہو رہا ہے نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ اپنے ہی گھر سے غافل ہیں اور مفت میں لاکھوں روپے برباد کر رہے ہیں اب اگر اوروں کی بجائے میری قربت حاصل کرتے تو ہرگز حالات یہ رخ نہ اختیار

کرتے۔ آپ اپنی معشوقانہ جفا پیشہ کو ابھی سمجھے نہیں ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ دلدار پری ایک حرم صفت عورت ہے فرشتہ خو ہم گفتار راست گو خوش پہلو، پاک باطن، صاف دل پری تمثال، رشک شمشاد، سمن بر رنگ قمر، خوش جمال، ماہ تمثال، زہرہ جبین، خجستہ آئین، خوبدن، گل پیرہن سیم تن، سرو چمن، آئینہ جبیں، جس کے ہر انداز پر میں سو جان سے فدا تھا اور اس کی ہر شوخی میری رگ جاں پر نشتر زنی کرتی تھی، میں نے جب دیکھا کہ ایسی پری پیکر میری طلبگار ہے تو اس کو میں نے فوراً قبول کر لیا لیکن ساتھ ہی زمانے کی بے وفائی کا اثر بھی مجھ پر غالب تھا جیسا کہ خود میرا ایک شعر ہے ؎

لیکا یک عشق کی نکلے کہ شہر حسن میں ٹھہرا ہے
فراق اس روح کو کیونکر گوارا ہوئے قالب کا

سرفراز پری کے غم میں میرا سینہ گویا چونے کی بھٹی کی مثال ہو گیا تھا، اس کی محبت دھیرے کم ہوتی جا رہی تھی لیکن ایک خلش سی آٹھوں پہر دل میں رہتی تھی ایک روز میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور شکایت آمیز انداز میں کہا اے جان جاں خواہ مخواہ تو مجھے مبتلائے غم کئے ہوئے ہے یہ کہاں کا طریقہ ہے کہ کسی کے دل کو اپنے عشق میں مبتلا کرے لیکن خود بے مروتی کا سلوک کرے تیری اس نازیبا حرکت کا مجھے بڑا ملال ہے اب بھی کچھ نہیں گیا براہ خدا راہ راست پر آجا لیکن وہ اسی طرح قسمیں کھانے لگی اور اپنی بے گناہی اور مجھ سے بے پناہ محبت کا یقین دلانے لگی اس گفتگو کے دوران میں وہ کبھی ہنس جاتی اور کبھی یکایک رو پڑتی، کبھی مجھ پر ہی الزام رکھتی کہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے اچھا ہوا کہ تم سزا کو پہنچے کبھی ہاتھ بڑھا کر کسی پری کو پان کا بیڑا دیتی اور مجھ پر التفات نہ کرتی۔

ایک روز میں نے اس کے ہاتھ کی انگوٹھی اس سے مانگ لی اور دل میں

ٹھان لیا کہ اس کو گرم کر کے اپنے جسم کو داغ دوں گا۔ جس وقت میں صبح کی نماز کے لئے اٹھا تو چاہا کہ حقہ کی چلم کی آگ میں انگوٹھی کو گرم کر کے اپنے جسم پر داغ دوں۔ لیکن چونکہ انگوٹھی اس بے وفا عورت کی نشانی تھی اس لئے گوارا نہ ہوا کہ انگوٹھی کو گرم کروں۔ انگوٹھی کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر حقہ کی مہنال کو خوب گرم کیا اور بائیں ران پر اس سے آٹھ جگہ داغ دیا لیکن پھر بھی میرے دل میں محبت کی جو آگ سلگی ہوئی تھی وہ بجھ نہ سکی اس کے دو ایک روز بعد اس جفا پیشہ معشوقہ کے پاس جا کر کہا اے ستم شعار حسینہ۔ میں نے دیکھ تیری محبت میں اپنا کیا حال بنا رکھا ہے جب اس نے میری ران پر جلے ہوئے نشان دیکھے تو خوب ٹھٹھا مار کر ہنسنے لگی اور میری ران کے زخموں کو چھونے لگی لیکن اس کی لاپرواہی اور کج ادائی میں کوئی فرق نہ آیا۔

۸۰

عشق جفا پیشہ

کچھ زمانہ گزرا تھا کہ ایک روز وہ بے وفا، جفا جو، ظلم نہاد و ستم پیشہ عورت جس کو اپنے حسن و ناز پر بے حد ناز تھا۔ کہنے لگی۔ اے جان عالم! او بے خبر انسان تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تمہارے عشق میں۔ میں نے بھی اپنی ران پر مضراب کا گل کھایا ہے یہ کیفیت معلوم کر کے میں زار و قطار رونے لگا اور میں نے بچشم خود دیکھا کہ اسکی ران واقعی تختۂ گل بنی ہوئی تھی مجھے اس بات سے تعجب ہوا کہ ایک طرف تو اسکی بیوفائی کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف محبت کا یوں اظہار کرتی ہے آخر اس کی دو رنگی محبت کا کیا مطلب ہے مختصر یہ کہ میں نے اس کے زخموں کو بوسے دئیے اور ران پر اپنی آنکھیں ملیں اور کہا کہ تم نے تو

میری پوری نقل اتاری اس پر اس نے کہا کہ یہ تمہارے گلوں سے بالکل الگ فارسی کے اس مصرعہ کے مطابق ہیں۔

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل

میں یہ سن کر خاموش ہو گیا بعد میں مجھے دلدار پری اور رشک پری سے معلوم ہوا کہ یہ گل محض دھوکہ دینے کے لئے کھائے گئے ہیں تاکہ آپ یہ سمجھ نہیں کہ اس کو آپ سے بے انتہا محبت ہے ان کو اُف سے میں پھر ایک دریائے تفکر میں ڈوب گیا اور اپنا ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگا۔ لاکھ ضبط کیا لیکن نہ رہا گیا اور اسکے پاس جا کر کہا اے بے مہر بے وفا تو خواہ ڈھونگ رچا کر محبت کا دم بھرتی ہے اے دغاباز تو اپنے مکر و فریب سے ابھی تک باز نہیں آئی وہ ہنس کر کہنے لگی۔ کوئی اپنے جسم کو فضول داغ نہیں دیتا۔ یہ جذبۂ عشق ہی تھا جس کی بنا پر میں نے ایسا کیا اس کی یہ تقریر بڑی پُر تاثیر تھی اور اس میں اس کے عشق کے جذبات کار فرما تھے لہذا میرا دل بھر آیا اور اپنا سر دروازہ سے ٹکرانے لگا وہ اگر مجھے پکڑ نہ لیتی تو میرا سر یقیناً پھٹ جاتا۔ غرض رات دن اس کے مکر و فریب اور عشق و محبت کے درمیان میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا اور اس ٹوہ میں تھا کہ اس کے در پردہ حالات کا مجھے کسی طرح علم ہو جائے۔

۸۱

دلدار پری کا اظہار عشق

دلدار پری بری طرح میری دارفتہ محبت تھی اور میں نے بھی اس کی ایسی ہی قدردانی کی انتہا یہ کہ اس کے بغیر کھانا پینا بھی حرام ہو گیا۔ اکثر اسکے زانوؤں پر

سر رکھ کر سو جاتا لیکن جب معشوقۂ خاص اور سرفراز پری کے کمند زلف کا اسیر ہوا تو دلدار پری پر التفات کم ہو گیا لیکن وہ اپنے عشق کی زبردست دعویدار تھی ایک روز وہ روتی ہوئی مجھ سے کہنے لگی کہ تم میرے حال سے بالکل بے خبر ہو میں نے جواب دیا کہ خود میں اپنے حال سے بے خبر ہو رہا ہوں تو بھلا دوسرے کے حالات سے مجھے کیا آگاہی ہو سکتی ہے پھر اس نے یوں کہا کہ اے سنگدل آدمی میں نے تیرے فراق عشق میں انگوٹھی کا گل کھایا ہے اور تمہیں اس کی کوئی خبر نہیں۔ کم از کم تھوڑا مرہم ہی مرحمت کیجئے کہ میں اپنے زخموں پر لگاؤں۔ میں نے مشاہدہ کیا تو واقعی اس کی ران پر انگوٹھی کا جلا ہوا نشان موجود تھا میں نے متاسف ہو کر کہا آخر تمہیں کیا ہو گیا تھا جو ایسی حرکت کر بیٹھیں۔ پھر اس نے کہا کہ جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ باوجود اس کے نہ مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی پیدا ہوئی اور نہ خود وہ میرا کوئی خاص خیال کرتی تھی۔

۸۲

معشوقۂ خاص اور سرفراز میں جھگڑا

مخبروں نے جب ان واقعات کی اطلاع سرفراز پری کو دی تو وہ آگ بگولہ ہو گئی اور ان تمام آدمیوں کی دشمن جانی ہو گئی جو میرے پاس اطلاعات پہنچانے تھے اب ہر وقت اور ہر محفل میں وہ افسوں طرازیوں اور دل جلانے والی باتوں سے کام لینے لگی۔ جب مجھے نواب معشوقۂ خاص پر زیادہ متوجہ دیکھا تو معشوقۂ خاص سے لڑنے جھگڑنے لگی بات یہاں تک بڑھی کہ ایک روز ہاتھا پائی تک ہو گئی۔ اس کی چٹیا اس کے ہاتھ میں اور اس کی چٹیا اس کے ہاتھ میں اس طرح صبح سے دوپہر تک یہ لڑائی ہوتی رہی جب میں نے دیکھا کہ سرفراز پری کی لاتوں سے معشوقۂ خاص بے قابو

ہو رہی ہے تو میں دوڑا ہوا گیا اور بیچ بچاؤ کیا اور دونوں کو سمجھا بجھا کر الگ کر دیا لیکن معشوقۂ خاص میری گریبان گیر ہو کر کہنے لگی اب یہ وقت آگیا ہے کہ تم اپنی چہیتی عورتوں سے میری بے عزتی کرانے لگے۔ اب میں ہرگز اس گھر میں نہ رہوں گی۔

میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ محض اس کی سمجھ کا پھیر ہے لیکن وہ غصہ میں میری کوئی بات سنتی ہی نہ تھی وہ چونکہ اب جانے پر تلی ہی بیٹھی تھی اس لئے میں نے اس کے لئے سواری حاضر کرنے کا حکم دیا۔ معشوقۂ خاص کی مفارقت مجھے کسی طرح گوارا نہ تھی لیکن اس کی ضد کے آگے میں مجبور ہو گیا آخر کار وہ سوار ہو کر چلتی بنی۔

میرا دل بری طرح بھر آیا اور میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ میں عجیب مصیبت میں تھا کہ ایک طرف ماں باپ کا خوف تھا اور دوسری طرف معشوقۂ خاص سے بے پناہ محبت۔

میں اسی عالم میں تھا کہ ایک ملازم نے آکر عرض کیا معشوقۂ خاص مرغی خانے تک جا کر واپس ہو گئی ہیں اور کوٹھے پر اپنی نشست کے کمرے میں چلی گئی ہیں میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھول کی طرح کھل گیا۔

۸۳

سرفراز پری کا روٹھ کر جانا

معشوقۂ خاص کا آدھے راستے سے گھر واپس آنے کا معلوم کر کے سرفراز پری کو بڑا تاؤ آیا اور اب وہ گھر سے چلی جانا چاہتی تھی اسی حالات غیظ و غضب میں وہ خودکشی کے ارادے سے کنوئیں کے قریب چلی گئی لیکن کچھ لوگوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے اس کے بعد

میں نے اس کے قریب جا کر بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ کسی کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی اور ہر حال میں اپنے گھر جانا چاہتی تھی. عجیب صورت در پیش تھی آخر میں نے تنگ آ کر کہدیا تم ڈراتی کیا ہو جانا ہو تو چلی جاؤ. یہ سن کر وہ بے رحم سواری میں بیٹھ کر چلی گئی اس کے جانے کے بعد میں نے اس کی تصویر اپنے گلے میں آویزاں کر لی اور ایک منزل میں دروازے بند کر کے بیٹھ رہا۔

مجھے پوری طرح یقین تھا کہ سرفراز پری چونکہ بے وفا ہے ہی اس لئے اب دوبارہ اس کا یہاں آنا ممکن نہیں مجھے بیساختہ رونا آ رہا تھا کبھی اپنے زخموں کے نشان دیکھتا تھا اور کبھی اس کی تصویر کے بوسے لیتا تھا غرض اسی طرح کامل چار گھنٹے گزر گئے یکایک دیکھتا ہوں کہ وہ سامنے سے چلی آتی ہے میں نے بیتابی کے ساتھ دوڑ کر اسے گلے لگا لیا وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی ہم کافی دیر تک اسی طرح تنہائی میں بیٹھے رہے میں معذرت کے بعد عشق و محبت کی باتیں کرنے لگا

معشوقۂ خاص کو جب یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں تو وہ جل کر کباب ہو گئی اور اس کے سینہ میں آتش رشک بھڑکنے لگی۔

۴۸

سلطان پری کی کج ادائی

اگرچہ دشمنوں نے جلاپے کے مارے سلطان پری پر بھی بے وفائی کا اتہام لگایا تھا لیکن میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ پوری طرح میری پرستار ہے اس بہتان کو جب اس نے سنا تو اس کو اس قدر رنج ہوا کہ وہ متواتر دو تین روز تک روتی رہی جس کی وجہ سے وہ لاغر و ناتواں ہو کر رہ گئی اور اس کو منت میں کھانا پینا بھی چھوڑ دیا آخر اس سے

غصہ ضبط نہ ہو سکا تو اس نے میری بے خبری میں میری ولیعہدی کی مہر اٹھائی اور اس کے نگینہ کو گرم کر کے اپنی ران پر تین جگہ داغا۔ یہاں تک کہ مہر کے تمام حروف ران کے گوشت میں پیوست ہو گئے اس کے بعد میری طرف لنگڑاتی ہوئی آئی جب میں نے لنگڑانے کا سبب پوچھا تو رونے لگا اور میرے ہاتھ میں مہر تھماتے ہوئے کہنے لگی میں آپ کے قربان جاؤں آپ نے مجھے بے وفا اور نمک حرام لوگوں میں شامل کر لیا ہے لیکن دیکھو میری ران کی کیا حالت ہو رہی ہے میں اس کی ران میں اپنی مہر کے حروف کو مثل آفتاب درخشاں دیکھ کر ششدر رہ گیا اور ساتھ ہی اس سے معافی کا خواستگار ہوا۔ پھر وہ میرے گلے سے لپٹ کر خوب روئی اس کے بعد سے میرا دل اسکی طرف سے مثل آئینہ صاف ہو گیا۔

۸۵

امراؤ بخش

اسی دوران میں امراؤ بخش نامی ایک عورت امن کے توسط سے آئی اور میرے گھر بیٹھ رہی یہ عورت کچھ کچھ موسیقی کے فن سے واقف تھی دو تین ماہ بعد اس کے حمل ٹھہرا میں نے اس کا پردہ کرا دیا۔

۸۶

حضور باغ کی آراستگی

شروع سے میں صفائی پسند تھا نیز ایجادات دنیا، عمارت میں بھی یکتا تھا

لہذا باغ کی آراستگی اور نہروں کی تیاری کا خیال ہوا۔ فی الحال میں نے دو نہریں جاری کرنے کی تجویز سوچی۔ ان میں سے ایک کا نام چشمۂ شیریں اور دوسری کا نام چشمۂ فیض رکھا اور ان کے انتظام و انصرام کے لئے علی نقی خاں کو مقرر کیا۔ یہ صاحب نہایت منتظم اور اس کام کے اہل ثابت ہوئے تھوڑی ہی مدت میں باغ اور نہروں کو آراستہ کر کے میرا معاینہ کرایا۔ میں نے باغ کا نام حضور باغ رکھا یہ حقیقت ہے کہ ایسا باغ اور ایسی نہریں اس سلطنت کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھی گئیں اس باغ میں ہر موسم کے لحاظ سے الگ الگ مکان ہیں۔ شہنشاہ منزل سردی کے موسم میں نہایت آرام دہ ہوتا ہے یہ ایک چھوٹا سا مکان ہے جس کے بیچ میں ایک چھوٹا سا حوض بھی ہے جو کہ گملوں وغیرہ سے آراستہ ہے۔

گرمی گزارنے کے لئے خاص مکان سے زیادہ اچھا کوئی اور مکان نہ ہوگا خدا جانے اس جگہ پر کس طرح سے ہوا کا کمرہ محفوظ ہو گیا ہے جب دھوپ تیز ہو جاتی ہو اور آدمی مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہوں اس جگہ آنے کے بعد ایک عجیب ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اس مکان میں سنگ مرمر کا فرش ہے۔

برسات کے موسم میں فلک سیر ایک عجیب و غریب مکان ہے یہ مکان حضور باغ کے بیچ میں بنایا گیا ہے اور اس قدر فرحت بخش ہے کہ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔

اس باغ کی آراستگی اور تعمیر کے سبب سے علی نقی خاں میری عنایتوں کے مستحق ہوئے تو انہوں نے اپنی طرف سے مسعود علی بیگ نامی ایک شخص کو لاکر باغ کے داروغہ کی خدمت کا خلعت مجھ سے عنایت کروایا باغ میں چشمۂ شیریں نام کی نہر چالیس گز کی ہے اور دوسری نہر چشمۂ فیض دس پندرہ گز کی جس کے اطراف فوارے ہیں ان فواروں سے جب پانی اچھلتا ہے تو برسات کا سا

لطف آنے لگتا ہے۔ جابجا سفید سنگِ مرمر کی چوکیاں اور تصویریں نہایت سلیقہ
سے رکھی گئی ہیں، ہر ایک چمن میں الگ الگ ایک ہی قسم کے پھولوں کے تختے ہیں
یہ ممکن ہی نہیں کہ گلاب کے چمن میں نسترن یا نسترن کے چمن میں کوئی گلاب کا پودا ہو
جگہ جگہ چینی کے مرتبان اور سنگی گلدستے رکھے گئے ہیں جن میں درخت لگائے گئے
ہیں اور یہ درخت اتنے گنجان ہیں کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نیچے نہیں گر سکتا درختوں
کے نیچے آرام کرنے کے لئے سنگِ مرمر کی چوکیاں بچھائی گئی ہیں باغ کے ہر کونے میں
سرو اور چنبیلی کے پودے ہیں۔ ہر چمن کے کونے پر مہندی کی باڑھ کی حفاظت
کے لئے لکڑی کے کٹہرے ہیں اونچے درختوں میں خاص کر شہتوت کا درخت اتنا
بڑا ہے کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا اس درخت کے نیچے سنگ مرمر کا
چبوترہ بنایا گیا ہے۔ تاکہ برسات میں اس پر بیٹھ کر لطف اٹھایا جاسکے ہر
جمعہ کو اس درخت کے نیچے پریوں اور گانے والیوں کی مجلس منعقد ہوتی ہے
خوش آواز پرندے اور خوش رنگ طاؤس اسی درخت پر بیٹھتے ہیں۔ اس
باغ میں پرندوں کا شکار منع ہے خان مذکور اپنی بہترین کارکردگی کی وجہ
سے چونکہ میرے مقربین میں شمار ہونے لگے ہیں اور میری عنایتوں کے مستحق
قرار پائے ہیں اس لئے وہ میرے بہت سارے گھریلو معاملات میں دخیل ہو گئے
یہ حال دیکھ کر داروغہ میر مہدی جلنے لگے اور خواہ مخواہ انکے دشمن ہو گئے۔

علی نقی خاں کی چندیا پر بال بہت کم تھے اس لئے ایک روز میں نے
محض مذاق میں کہا کہ نواب صاحب سر پر بالوں کا نہ ہونا اس بات کی علامت
ہے کہ آپ وزیر ہوں گے انہوں نے کہا کہ حضور کے تصدق سے انشاء اللہ ایسا
بھی ہو کر رہے گا ان کی یہ بات میرے دل کو لگی اور دل ہی دل میں کہا یا اللہ میں
نے دروغ بیانی سے کام نہیں لیا۔ اگر تیری مرضی شامل حال رہی تو وقت

آنے پر میری بات سچ ہو کر رہے گی۔

۸۷

جوگی اور جوگن

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ پریوں کا جمگھٹا گانے والوں کی بہتات اور میرے جذبۂ عشق و وفورِ محبت کا بڑا زور تھا۔ یہ احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ اب رات ہے یا دن خوش گلو گانے والے۔ خوش اطوار بجانے والے۔ ستار کا شور گھنگھروؤں کی جھنکار اور پھر مسلسل چار یا پانچ پہر تک طبلہ بجانے کی آواز ایک عجیب سماں ہوتا تھا۔ معشوقوں کے غم کے علاوہ اور کوئی غم تھا ہی نہیں۔ معشوقوں کا بھی یہی حال تھا۔ عمدہ کھانوں بیش بہا لباس اور گانے بجانے کے علاوہ وہ کچھ جانتی ہی نہ تھیں۔ خدا کی مہربانی ایسی شامل حال تھی کہ کسی قسم کا غم مثل عنقا ناپید تھا میں ہمیشہ کسی نہ کسی شاہدِ رعنا سے ہم آغوش رہتا۔ فلک کینہ پرور تارے رشک کے حسرت کے آنسو تاروں کی آنکھوں سے زمین پر گراتا۔ حوریں میری محفلِ طرب حسرت بھری نظر سے دیکھتیں۔

آسمان پر چاروں طرف گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار کے قطرے درختوں کے تر و تازہ پتوں پر گر کر عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔ نسیم عنبر فشاں چمن باغ کے چاروں طرف نکہتِ گل پھیلا رہی تھی۔ عندلیبان نغمہ سرا و طائران خوش نوا سیدنی کے پھول کی شاخوں پر عجیب مستانہ ادا سے خوش الحانی کر رہے تھے باغ کے سعد و حفاکش مالی ہاتھوں میں بیلچے لئے روشوں کو آراستہ کر رہے تھے خاص کر گردونواح کے درخت پر عجیب بہار آئی ہوئی تھی جو سرتا پا برگ و بار

میں لدے ہوئے تھے گلاب کے تختوں کا بھی بڑا پر لطف منظر تھا۔ درختوں اور ان کی شاخوں اور ان کے پتوں کا کوئی حساب ہی نہ تھا۔ ہزارہ کے سنگتروں سے تمام باغ میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ سرخ کے درختوں کا سایہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے باغ میں کوئی سبز خیمہ تنا ہوا ہو۔

باغ کے جو نئے چمن تھے ان میں بڑے نایاب قسم کے تقریباً ایک ایک ہزار درخت لگائے گئے تھے جو ایک ہزار اقسام پر مشتمل تھے۔ اسکے علاوہ ایک چمن صرف ناشپاتیوں کا تھا اسی طرح ایک چمن صرف سیب کا تھا۔ ایک چمن میں صرف شفتالو کے درخت تھے اور ایک چمن محض کروندوں کا تھا ایک چمن امرودوں کا اور ایک ہزارہ کی نارنگیوں کا اور ایک چمن ولایتی نارنگی کا۔

حیرت ہے کہ یہ سارے درخت تاڑ کے مانند تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک گز سے زیادہ اونچا نہ تھا۔ مہندی کی روش بھی نہایت سلیقہ سے ہر چمن کے گرد لگائی گئی تھی ایک چمن گل ساؤنی اور ایک گل سیوتی کا تھا۔ ایک چمن صرف نسرین کا تھا جس کے سفید سفید پھول ہرے ہرے پتوں میں آسمان کے تاروں کی طرح چمکتے تھے۔ ایک تختہ چنبیلی کا بھی تھا۔ ایک چمن گل داؤدی کا تھا جنکا زرد اور سفید رنگ آفتاب و مہتاب کی طرح روشن رہتا تھا۔

سارے باغ کے گرد لمبیاں روشیں تھیں جس پر تین بگھیاں ایک دوسرے کے برابر برابر ہو کر گزر سکتی تھیں۔ اس روش کے دونوں رویہ موز کے درخت لگائے گئے تھے۔ جو بیقرار عشاق کی طرح اپنے بڑے بڑے پتوں کے بازو ایک دوسرے کے آغوش میں ڈالے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اس راستہ کا نام ٹھنڈی سڑک مشہور ہو گیا۔ مختصر یہ کہ موز کے پتے آپس میں اس طرح مل گئے تھے کہ اس میں دھوپ مطلق نہ گزر سکتی تھی میں اسی کے سایہ میں بیٹھا ہوا اس یار غفلت شعار کی

فرقت میں اپنے دل کو رشک گلزار بنائے ہوئے تھا اور خود میری ہی تصنیف مثنوی افسانۂ عشق زیر مطالعہ تھی اس عالم میں یکایک جنون کا غلبہ ہوا اور مجنون کی طرح عریانیٔ تن کی خواہش ہوئی۔ چنانچہ میں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اسی عالم بے خبری میں دل کے آئینہ کو غبار آلودہ اور جگر فگار کو رشک دہ لالۂ پُربہار بنا کر سب کے سامنے سے گزر گیا۔

جوگیوں کا خاص امتیازی ساز و سامان میرے جسم پر تھا موتیوں کی خاک صبح صادق کی طرح میرے چہرے پر چمک رہی تھی۔ موتیوں کا کنٹھا گلے میں معشوقۂ خاص اور نواب سکندر محل جو جوگن بنی تھیں ان کا ہاتھ میں نے اپنے بغل میں دبالیا تھا ہم تینوں کے جسموں پر بنارسی چادروں کی گاتیاں لپیٹی ہوئی تھیں اور چہرہ پر جلے ہوئے موتیوں کی خاک ملی ہوئی تھی۔ بال پریشان۔ جن کی خوشبو سے سارا باغ معطر تھا۔ کانوں میں گوشوارے اور گلے میں موتی کی مالائیں اس محفل مدہوشی کے حاضرین میں، مصاحب، ملازم، ارباب نشاط وغیرہ موجود تھے اور سب کو سرور کے نشے نے کچھ ایسا متاثر کیا کہ یکایک سب کے سب بے خود ہو کر اپنے کپڑے پھاڑنے لگے اور اسی عالم میں تمام آلات موسیقی جیسے ساز ستار رباب سارنگی۔ مردنگ۔ طبلہ۔ جھنجھنا اٹھے۔ خوش آواز گانے والوں نے ایسی نغمہ سرائی شروع کر دی کہ ان کی آواز آسمان تک جا پہنچی جو لوگ یہ حال دیکھ رہے تھے وہ ششدر اور حیران تھے اور سب کے حواس چھوٹ گئے تھے۔

غرض کہ اس محفل کی حالت نے کسی کے ہوش بجا نہ رکھے۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو آنسو نہ بہا رہی ہو اور کوئی دل ایسا نہ تھا جو مضطرب و بے چین نہ ہو رہا ہو۔ جوگی زرنگار ڈوپٹہ اپنی کمر سے باندھے ہوئے تھے جس کے نور تجلی سے تجلی برس رہی تھی۔ جس وقت ڈوپٹہ کی گرہ لگائی گئی۔ کمر کی باریکی تار نظر سے بھی

کئی گنا زیادہ باریک تھی۔ چشم بد دور، سینہ اور شانوں کے ابھار کی شان ہی نرالی تھی۔ بھری بھری رانیں۔ سر و کے پیڑ کے مثال تھے جوگی دونوں جوگنوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اس مجمع سے جہاں ایک شور برپا تھا تیزی کے ساتھ گذر گیا اور ہر وہ شخص جو ساتھ تھا آپے سے باہر تھا۔ جو سامنے آیا وہ بھی اپنے ہوش کھو بیٹھا تمام عورتوں اور تمام مردوں پر خود رفتگی کا عالم تھا۔ در و دیوار، قصر و بام اور ہر پست و بلند کی نظریں جوگی اور جوگنوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ہر گلی۔ ہر مکان ہر سمت اور ہر کونا غرض ہر طرف عورتوں کا ایک ہجوم تھا باغ کیا تھا ایک پرستان معلوم ہوتا تھا

جب انیس الدولہ بہادر اور رضی الدولہ بہادر باغ کے دروازے پر آئے تو اس عجیب منظر کو دیکھ کر حیرت زدہ و بے خود ہو گئے اور اپنے کپڑے پھاڑ دیئے چہرے پر اور جسم پر خاک مل کر اور تہمد باندھے ہوئے وہ بھی جوگیانہ بھیس میں آ گئے ان کی آنکھوں سے اس وقت آنسو جاری تھے مورچھل ہاتھ میں لئے ہوئے آگے بڑھے اور جوگی کے قریب آ کر دیکھا کہ یہاں راگنیوں کی پھوار پڑ رہی ہے جو بھی اس منظر کو دیکھتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ پرستان کا سحر ہے۔ ابھی کچھ دن باقی تھا کہ سب کے سب اسی حالت میں باغ کے ایک گوشہ کی طرف چل پڑے اور شام کے قریب وہاں پہنچے جادو نواز مطربوں نے خیال

نہ کرسانوریا سے یاری میں جوگن بھئی رے

کا راگ گانا شروع کیا اور خوب خوب داد موسیقی دی اسوقت جوگی بیراگن پر تکیہ کر کے دایاں پیر بائیں ران پر رکھ کر دلیروں اور مست شیر کی طرح بیٹھ گیا دانوں اور سینہ کے کرتی آتان سڈول شانوں اور چمکدار رخساروں کا حال کیسے بیان کیا جائے جو بھی دیکھتا تھا عش عش کرتا تھا۔ دونوں جوگنوں کا عجیب رنگ تھا وہ انگوری بیلوں کے سایہ میں محو رقص تھیں۔ ان کے ہوش ربا

رقص اور دل ربا گانے پر کوئی شخص اپنے ہوش میں تھا اور اب سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

شام کو جب سورج ڈوبا اور چاند نکل آیا جوگی یکایک اپنی نشست سے اٹھ کر اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ چل پڑا اور نہر کے اوپر۔ رفعت منزل پر مقام کیا۔ نور مہتابیاں روشن کر دی گئیں اور مختلف قسم کی آتش بازی چھوٹنے لگی۔ اس وقت شادی کی رات کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اب ہر آدمی کی یہ خواہش ہوئی کہ جوگی کے جلوہ کا نظارہ کرنا چاہئے جو اس تقریب کا دولہا بنا ہوا ہے تاکہ زیادہ سرور حاصل ہو مختصر یہ کہ جب آدھی رات گزر گئی دنیا کا رنگ بھی بدل گیا چنانچہ محفل بھی برخواست ہو گئی۔ اب ویسی حیرت باقی نہ رہی۔ دلوں کی حالت معمول پر آ گئی مہتاب نے اپنی کارفرمائی شروع کر دی اور ستاروں نے اپنی آنکھیں جھپکا لیں۔

اب جو آنکھ کھلی تو آسمان دوسرا چکر لگا چکا تھا۔ حقیقت میں نیرنگی دنیا کو کوئی قیام نہیں۔ کوئی بھی اپنی مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکتا چونکہ یہ نو ایجاد مشغلہ مجھے دل سے پسند آیا تھا۔ لہذا ہر سال ساون کے مہینے میں یہ محفل منعقد ہوتی رہی اور ہر بار اس کا رنگ نیا ہی ہوتا تھا اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

۸۸

چھوٹے صاحب

ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں پری خانہ میں بیٹھا ہوا تھا چھوٹے خان اور

غلام رضا خاں میرے حضور میں باریابی کا شرف رکھتے تھے۔ نجم النساء بیگم مرحومہ اور دیگر پریاں ناچ گانے کی تعلیم حاصل کر رہی تھیں اس وقت یکایک آسمان پر سیاہ بادل نے چھا کر ساری دنیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ایسا اندھیرا گھپ ہو گیا کہ شب دیجور کا سا سماں ہو گیا اس ماحول کے دیکھنے سے مارے ہیبت کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ہر ایک آدمی پر لرزہ سا طاری ہو جاتا تھا ایسے میں غلام رضا خاں اور چھوٹے خاں نے باتوں باتوں میں کہا کہ گولہ گنج میں چھوٹے صاحب نامی ایک عورت رہتی ہے جو نہایت درجہ خوبصورت اور پسندیدہ قامت کی واقع ہوئی ہے۔

یہ سن کر میں نے چپکے سے اشارہ کیا اور کہا کہ تم دونوں میرے ساتھ اسی وقت چلو تاکہ تھوڑی سی تفریح ہو جائے ان دونوں مصاحبوں نے عرض کیا کہ صاحب عالم رات بڑی بھیانک ہو رہی ہے اور دل خوف سے دھڑک رہا ہے۔ لہذا ایسے وقت میں گھر سے نکلنا مناسب نہ ہو گا۔ میں نے یہ سن کر کہا معلوم ہوتا ہے تم لوگ بزدل ہو۔ تب انہوں نے عرض کیا تو ارادہ فرمائیں۔ ہم سائے کی طرح آپ کے ساتھ ہیں۔

میں نے اسی وقت تمام حاضرین محفل کو رخصت کی اجازت دی۔ غلام رضا خاں چھوٹے خاں اور نجم النساء بیگم مرحومہ اور دیگر پریاں و بیگمات محفل میں حاضر رہیں۔ میں اندر محل میں گیا اور الگ راستہ سے پری خانہ میں نزول فرمایا۔ وہاں قدرے رک گیا اور تنگ چوڑی دار پاجامہ اور انگرکھا زیب بدن کیا۔ ایک چادر کی ڈیڑھ گرہ کمر میں کسی اور دو طمنچہ ساتھ لئے اور چادر کے ایک حصہ سے سر اور منہ چھپا لیا۔ سر پر دو پلی ٹوپی سادہ کامدانی کی کڑھی ہوئی اس طرح پہنی کہ بھوؤں کا کچھ حصہ اس میں چھپ گیا۔ تلوار بغل میں دبالی پھر داروغہ نجم النساء بیگم

مرحومہ سے کہا میں باہر جارہا ہوں لیکن کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو۔

غرضیکہ پری خانہ کے راستہ اس اندھیری رات میں کھڑکی سے کود کر گلی میں جا پہنچا اور میرے ہمراہ دونوں مصاحب یعنی غلام رضا خاں اور چھوٹے خاں بھی تھے چونکہ گلی بڑی خطرناک معلوم ہوتی تھی اس لئے ہمراہیوں نے کہا گلی کی پر ہیبت فضا دیکھنے کے قابل ہے اور عجیب بے سروسامانی کے عالم میں ہماری روانگی عمل میں آئی ہے غرض کہ اسی قسم کی باتوں میں راستہ کٹ گیا اور ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے اس جگہ کا نام چھوٹے صاحب کا کوٹھا ہے میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوٹھے پر چڑھنے لگا۔ ابھی دو چار ہی زینے چڑھے ہوں گے کہ اوپر میری آمد کی اطلاع ہو گئی اور جانے کے بعد دیکھا کہ ایک مجمع عام تھا کئی ایک نوعمر جوان جو بڑے شوخ اور شریر معلوم ہوتے تھے وہاں موجود تھے لیکن میری ظاہری شان و شوکت اور وجاہت و اقبال مندی سے وہ مرعوب ہو گئے جیسے ہی ہم لوگ اس جگہ پہنچ کر کرسیوں پر بیٹھے، میرے ہمراہیوں نے اس عورت سے کہا۔ ہم نے دہلی کے جن رسالدار صاحب کا تذکرہ کیا تھا یہ وہی ہیں اس آفت زمانہ نے جونہی میر احسن جہاں افروز دیکھا مجھ پر ہزار جان سے فدا ہو گئی عطر دان کھولا میرے کپڑوں پر عطر لگایا اور پان کے بیڑے بنا کر میری طرف بڑھائے۔

میں نے ایک عیار و بازاری آدمی کی طرح اس کی نظر بچا کر اسکا میرے منہ میں دبا ہوا پان نکال کر چھوٹے خاں کو دیدیا اس نے دوسرا پان اپنے خاصدان سے نکال کر مجھے دیا اور جس کو میں نے منہ میں دبا لیا اس کارروائی کے بعد میں نے اس سے باجا مانگ لیا اور بجانا شروع کیا اس کے ساتھ ہی اپنی موزوں کی ہوئی غزل جھنجھوٹی کے راگ میں الاپنے لگا اس معشوقہ طناز پر میری موسیقی سے جو وجد طاری ہوا تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی، بالآخر میرا

ہاتھ پکڑ کر عشق کا اظہار کرنے لگی۔ لیکن میں نے لاپرواہی سے کام لیا اس کے گھر میں موتی نام کی ایک بلی تھی اس سے کھیلنے لگا۔ میں نے اس کی طرف سے انتہائی لاپرواہی برتی اور وہ خوشامد سے پیش آ رہی تھی۔

اسی طرح ایک پہر سے زیادہ رات گزر گئی اس لئے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب جلدی سے یہاں سے روانہ ہونے کی صورت نکالو یہ سن کر ان دونوں نے دونوں ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھایا جس وقت ہم جانے کو تیار ہوئے تو وہ دلبر ناز بھی آبدیدہ ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھی اور اپنا زرتار دوپٹہ اپنے سر سے اتار کر میری کمر کے گرد لپیٹ دیا اور ایک انگوٹھی اپنے ہاتھ سے اتار کر مجھے دی اور کہا کہ خیر اس وقت تو آپ میرے دل کو دکھ پہنچا کر جا رہے ہیں لیکن آپ کو چاہئے کہ دوبارہ اپنا جلوہ دکھائیں۔

میں ابھی بالاخانہ ہی پر تھا کہ تھانے دار عمر خاں نے بازار میں کھڑے ہو کر قرنے کی آواز میں اپنے آورد ہونے کی اطلاع دی لیکن اس عورت نے بہانہ کر کے ٹال دیا اور کہا کہ میں نے اپنا دروازہ بند کر لیا ہے اب میرے پاس کوئی غیر آدمی نہیں ہے تم یہاں سے جاؤ جیسے ہی میں زینے سے نیچے اترا سامنے بخش علی خاں کی سواری دکھائی دی میں پھرتی سے کام لے کر ایک دکان میں چھپ گیا میرے ہمراہی بڑے پریشان تھے جب بخش علی خاں دور نکل گیا میں دکان سے نکل آیا اور چلنے لگا جب گولہ گنج کی چورنگی پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص نے اور قرنے کی آواز کرتا ہوا میرے قریب آ گیا یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عام طور پر کمر سے تلوار باندھ کر نکلنے کی ممانعت تھی لیکن راؤنڈ کے آدمی ایک جوان رعنا کو تلوار ہاتھ میں لئے چلتے دیکھ کر بھی خاموش رہے صرف یہی نہیں کہ وہ خاموش ہو رہے بلکہ انہوں نے راستہ بھی دے دیا اور میں ان کے درمیان سے ہو کر گزر گیا۔ مختصر یہ کہ ان واقعات

کے رونما ہونے کے باوجود میں خیریت سے بری خانہ میں داخل ہوگیا۔ چونکہ رات اندھیری تھی اور مجھے تقریباً ساری رات کو جہ گردی کرنی پڑی تھی اس لئے آتے ہی پلنگ پر لیٹ گیا اور سفید لحاف اوڑھ کر بے سدھ ہوگیا۔

معمولی ملازمانِ حسب قاعدہ پائنتی کی جانب بیٹھ کر پاؤں دبانے لگیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت والد ماجد کی سختی کے باوجود اتنی جواں مردی کا کام کرنا بڑا مشکل تھا۔

۸۹

مقابلہ حسن

مصاحبوں کی نشست وبرخاست کے لئے جو عمارت مخصوص کی گئی تھی اس کی مناسبت سے اس کا نام وزیر منزل رکھا گیا تھا جو کہ شہنشاہ منزل کے عین عقب میں واقع تھی۔

وزیر منزل کے بالکل روبرو شہیدی کی قبر واقع ہے۔ یہ منزل بطور خاص آراستہ کی گئی تھی۔

ایک روز میں وزیر منزل میں تھا میرے اور چھوٹے خاں کے مابین شرط ہوئی کہ ہم دونوں کی خوبصورتی کا امتحان ایک نئی عورت کو بلا کر لینا چاہئے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مصاحب خاص چھوٹے خان بھی کسی بت طناز معشوق دلنواز کے مانند تھا اور وہ اپنی صورت وشکل پر بڑا نازاں تھا۔

مذکورہ شب والی گفتگو کے دوران میں اس نے کہا صاحب عالم مجھ پر بھی بے شمار عورتیں جان چھڑکتی ہیں لہذا آپ مجھ سے مقابلہ کرنے کی کوشش نہ فرمائیں

اس لئے کہ اپنی ابرو کے اشارے سے میں اس کو اپنا گرویدہ بنا لوں گا آپ نے فضول مقابلہ کی ٹھانی ہے لیکن میں نے اس کی بات نہ مانی اپنی بات پر مجھے اصرار رہا آخر یہ طے ہوا کہ ایک ایسی عورت کو بلانا چاہیئے جو ہم دونوں سے قطعًا ناواقف ہو اور کسی وقت کسی عام جلسے یا خاص محفل میں دیکھا بھی نہ ہو یہ طے ہونیکے بعد ایک نہایت حسین وجمیل عورت کو بلایا گیا۔ چھوٹے خاں دولہا کی طرح سج دھج بنا کر بیٹھا دوپلی ٹوپی زیب سر تھی زرکار ومصالحہ دار انگرکھا زردوزی کا پاجامہ پہن رکھا تھا اس پر عطر مجموعہ لگایا۔ بالوں میں خوشبو دار تیل اور پان سے منہ لال کئے ہوئے تھا۔

اس عورت کو چھوٹے خاں نے صاحب خانہ کی حیثیت سے بلایا تھا۔ جس وقت وہ آئی ہے میں پوشیدہ رہا اور میرے برآمد ہونے سے قبل طے شدہ فیصلے کے مطابق چھوٹے خاں نے اس عورت سے ربط محبت واختلاط بڑھا لیا۔ میں نے پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا کہ تم اس کو اپنی محبت کی گرہ میں خوب باندھ لو جب وہ پورے طور پر تمہاری عاشق وشیدا ہو جائے گی تب میں تم دونوں کے دوران اختلاط آموجود ہوں گا۔

لہذا اس شرط کے مطابق چھوٹے خاں نے ناز و اغماض سے کام لینا شروع کیا لیکن وہ عورت اس پر بری طرح سے مائل تھی اور اس قدر فریفتہ ہو رہی تھی کہ چھوٹے خاں کو اپنی شرط جیتنے کا یقین ہو چلا تھا۔

عین اسی وقت میں صرف ایک سفید چادر اوڑھے اور سر پر معمولی سی دوپلی ٹوپی رکھے ان کے سامنے آگیا رات کا وقت تھا اور میں نے دیکھا کہ بڑے انہماک کے ساتھ چھوٹے خاں اس عورت کے ساتھ مصروف گفتگو ہے جب میں وہاں گیا تو اپنے کو چھوٹے خاں کی حیثیت سے ظاہر کیا اور جاتے ہی السلام علیکم کہا

چھوٹے خاں نے وعلیکم السلام کہا اور بالکل ایک بے تکلف دوست کی طرح پرتپاک انداز میں مجھ سے ملا اور خاطر تواضع کرنے لگا اور سلسلہ کلام جاری کرتے ہوئے کہا جناب عالی اتنے دنوں کہاں رہے آئیے یہاں ہمارے قریب بیٹھیے۔

میں نے جواباً کہا کئی روز سے میں آپ سے ملنے کا خواہشمند تھا لیکن فرصت ہی نہ ملتی تھی شکر ہے کہ آج ملاقات ہو گئی دو تین روز اس شہر میں رہونگا اس کے بعد شاہ جہاں آباد چلا جاؤں گا صرف آپ سے ملنے کو حاضر ہوا ہوں۔

چھوٹے خاں نے کہا بہت اچھا کیا جو آپ آ گئے۔

اسی دوران میں میں نے دیکھا کہ وہ عورت جو کہ چھوٹے خاں پر اسقدر جان دے رہی تھی۔ اب میرے جانے کے بعد اپنے سامنے رکھے ہوئے چراغ کی بتی بڑھانے لگی اور کچھ کچھ مجھ سے چھیڑ خانی بھی کرتی جاتی تھی۔ ساتھ ہی پاندان کھول کر مصالحہ کے دو پان لگائے ان میں سے ایک پان چھوٹے خاں کو دیا اور اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دوسرا پان میری طرف بڑھایا میں نے اس کے اس خفیہ تلطف کو پوشیدہ نہ رکھا اور چھوٹے خاں کو دکھلاتے ہوئے پان لے لیا جب میں نے ایسی حرکت کی تو اس عورت کو ناگوار ہوا اس کے بعد اس نے چھوٹے خاں کی پشت کی طرف سے میرے پاؤں میں اپنے ناخن چبھونے شروع کئے۔ میں نے شکایت آمیز انداز میں چھوٹے خاں سے کہا بھئی دیکھیے آپ کی عورت ہمیں رسوا کر کے رہے گی آپ اس کو تاکید کیجیے۔

یہ سن کر چھوٹے خاں کے پہلو سے اٹھ کر وہ میرے پہلو میں آ بیٹھی۔ چھوٹے خاں نے بناوٹ سے کام لے کر برہمی کا اظہار کیا اور کہا اے بدتمیز تو میرے بلاوے پر میرے پاس آئی ہے دوسرے آدمی سے تجھے کیا غرض۔

اس عرصہ میں میں وہاں پڑا ہوا ستار اٹھا کر بجانے لگا اس عورت نے داد دینی شروع کر دی نوبت بایں جا رسید کہ اس نے چھوٹے خاں سے جتنا روپیہ لیا تھا

زمین پر دے مارا اور کہنے لگی مجھے رات بھر تمہارے ساتھ بسر کرنا منظور نہیں اس حرکت پر چھوٹے خاں کو بڑا تاؤ آیا۔ غلام رضا خاں اور دیگر مصاحبین خاص اسی جگہ چھپے ہوئے بیٹھے تھے ان کا بیان ہے کہ انہوں نے اس عورت اور چھوٹے خاں کی بک بک جھک جھک سنی تھی وہ چاہتی تھی کہ اسے اس کے گھر جانے کی اجازت دیدی جائے اور چھوٹے خاں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا آخر وہ بڑی مشکل سے رات یہاں گزارنے پر راضی ہوئی ادھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا مجھے پتہ دو انشاء اللہ میں کل تمہارے مکان پر آؤں گی میں نے جواب دیا میں تو کل شاہجہاں آباد جا رہا ہوں اتنا کہہ کر میں وہاں سے اٹھا اور اپنی خوابگاہ میں آکر سو گیا۔

دوسرے دن سنا گیا کہ اس نے بڑی مشکل سے رات گزاری اور چھوٹے خاں سے صاف الفاظ میں کہدیا کہ میں تم سے راضی نہیں ہوں۔

۹۰

داروغہ امراؤ بیگم

داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کے انتقال کے بعد اندر کے معاملات کی اجرائی کے لئے ذمہ داری کو محسوس کرنے والی کسی معتمد عورت کی ضرورت تھی چنانچہ اس بنا پر داروغہ میر مہدی نے سفارش کر کے امراؤ بیگم کو خلعت داروغگی عنایت کروایا میں نے میر محمد مہدی کی خاطر اسے نوکر رکھا لیکن کبھی بھی وہ میری طبیعت کے موافق نہ ہوئی۔

داروغہ امراؤ بیگم نصیر الدین حیدر کی محل نواب قدسیہ محل اور محل موصوفہ کے بھائی حسین بیگ اور وفا بیگ کی ہمشیرہ تھیں انہوں نے اپنے دام محبت میں گرفتار

کرنے کی لاکھ کوشش کی لیکن میں نے ان کو کامیاب ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ روزانہ وہ پہروں پروانے کی طرح میرے ارد گرد رہتی تھیں اور کسی نہ کسی فریب سے مجھے اپنا پرستار بنانا چاہتی تھیں لیکن میں ہر دفعہ اپنا دامن صاف بچا لیتا تھا ایک وقت تو ایسا بھی ہوا کہ ان کے اور میرے درمیان متعہ کا بھی تذکرہ چھڑا۔ لیکن متعہ کبھی نہ ہو سکا۔

مہوز امراؤ بیگم نام کو اپنی خدمت پر مامور ہیں ان کے زیادہ تر کام جاں نثار سرکار حضور ولی عہد بہادر حاجی محمد شریف علی خاں انجام دیتے ہیں وہ ایک موٹی تازی سرخ و سپید رنگ والی اور چوڑی صورت اور لمبے ہاتھ پاؤں کی پینتیس سال عمر کے سن کی عورت ہیں۔ اس لئے میں نے کبھی ان کی طرف التفات کی نظر بھی نہ کی۔

۹۱

میر محمد مہدی اور خطاب

رفتہ رفتہ میر محمد مہدی کو خلعت سرفراز کیا گیا اور ساتھ ہی انھیں امیر الامراء میر محمد مہدی صاحب کا خطاب بھی عنایت ہوا انہوں نے منشی جعفر علی کو اپنی نیابت کا اعزاز دلوایا اور کول خانے کی داروغگی کے لئے چھوٹے خاں کو خلعت دیا گیا شیخ محمد بخش ان کی پیش دستی کے لئے مامور ہوا خلعت عمارت غلام رضا خاں کو مرحمت کیا گیا اور ان کی پیش دستی کے لئے کاشی رام کو رکھا گیا محمد معتمد علی خاں کو خزانۂ ولی عہدی کی داروغگی کا خلعت ملا اور حسین علی بیگ کو محمد معتمد علی خاں کے توسط سے شہنشاہ باغ حضرت الخاقان جہاں نما کی داروغگی مرحمت ہوئی۔

مسعود علی بیگ کو علی نقی خاں کے وسیلہ سے حضور باغ اور مبارک باغ کی داروغگی عطا ہوئی چھوٹے خاں کو بھی خاص مکان کا داروغہ بنایا گیا. ثابت علی خاں کو مکانات موسومہ واس منزل مکان عاشقان پسند مکان معشوق پسند مکان محبوبان پسند قصر السلطان وغیرہ کی داروغگی کا خلعت دیا گیا علاوہ بریں ثابت علی خاں۔ غلام رضا خاں اور محمد معتمد علی خاں کو سکندر باغ کی تیاری پر مامور کیا گیا حقیقت میں باغ مذکور رشک جنت ہے اس کے تیار ہونے کے بعد اس میں نواب سکندر بیگم صاحبہ فروکش تھیں جو کہ ان کی زندگی تک انہیں کے قبضہ میں تھا ان کا چونکہ کوئی وارث نہیں تھا اس لئے ان کے مرنے کے بعد سرکاری قبضہ میں آ گیا. غلام رضا خاں محمد معتمد علی خاں. ثابت علی خاں اور کاشی رام کو سکندر باغ کی تیاری کا جب خلعت دیا گیا تھا اسی وقت مکان کے ایک ایک حصہ کی تیاری پر ان میں سے ایک ایک شخص متعین ہوا جس کی وجہ سے ایک سال کے عرصہ میں پورا مکان تعمیر ہو گیا. ورنہ سات آٹھ سال کی مدت میں بھی اس کا پایۂ تکمیل کو پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس کی تیاری پر پانچ لاکھ روپے کی لاگت آئی تھی لیکن یہ ایک عدیم النظیر و تحفۂ روزگار عمارت تعمیر ہو گئی اس مکان کے بیچوں بیچ ایک عالیشان مسجد بھی بنائی گئی ہے جس کے مینار باہر سے بھی دکھائی دیتے ہیں سبحان اللہ مکان کا صدر دروازہ ایسا عالی شان ہے کہ شاید چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا مکان سے دریا کے دہانے تک ایک نئی سڑک ہے کوئی آدمی اگر مکان کے بالاخانے سے ... کرا جاہے تو دریا کا نظارہ دور سے بخوبی ہوتا ہے سڑک کے دونوں طرف میوہ دار درخت لگائے گئے ہیں سڑک کی چوڑائی اتنی ہے کہ اگر تین بگھیاں ایک دوسرے کے برابر ہو کر گزریں تو کوئی دقت نہ ہوگی بلکہ سڑک کے ادھر ادھر پھر بھی ایک ایک گز کی جگہ باقی رہتی ہے۔

۹۲

رہس دھاری

ایک روز باغبان قدرت نے زمین پر گل لالہ کا فرش بچھایا تھا اور خلق اللہ کے دل فرحت خیزی سے لالہ زار بنے ہوئے تھے وہ دن ایسا تھا کہ اس کا جواب شب عروسی بھی پیش نہیں کر سکتی تھی. نکہت گل سے سارا حضور باغ مہکا ہوا تھا. میں ناچ گانے کے ساز و سامان کے ساتھ فلک سیر میں رونق افروز تھا. اس وقت میں نے پریوں کو رہس دھاری کا حکم دیا. رہس دھاری ناچ کا ایک سوانگ ہے جس کی ہندو مذہب میں عبادت کی جاتی ہے ہندو لوگ اس عبادت کے سامان پر بے شمار روپیہ صرف کرتے ہیں اس میں کنہیا اور ان کی گوپیوں کا روپ دھارا جاتا ہے یہ مبالغہ نہیں کہ جیسا کہ رہس میں نے تیار کروایا ہے ویسا کہیں اور نہ ہوگا. تمام پریوں کو ہوشیار استادوں نے بڑی محنت سے تعلیم دے کر تیار کیا ہے دراصل اس کو فنی حیثیت دینے والے سات آدمی ہیں جو میری سرکار میں ملازم ہیں انہوں نے کنہیا اور ان کی گوپیوں کی روپ تیار کئے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے.

سلطان پری رادھا کے روپ میں جو کنہیا کی خاص گوپی ہے.

ماہ رخ پری:- کنہیا کے روپ میں.

یاسمن پری حرمت پری. دلربا پری. حور پری. کنہیا کی دوسری گوپیوں کے بھیس میں.

اس کھیل کی تیاری پر کئی لاکھ روپے خرچ ہوئے تمام لوازمات موجود ہونے کے باوجود صرف درستی کے سلسلہ میں پانچ سو روپے کھل گئے پوشش کے لوازمات اور لباس وغیرہ کی آرائش کے لئے جو اشیا خریدی گئیں ان کی تفصیل بیان کرنا بھی

تضیع اوقات کا باعث ہوگا۔

کنہیا کی جو معشوق بنی تھیں انہیں زبان سنسکرت میں گوپیاں کہا جاتا ہے ان کے ناچ سنگیت بھی اور برہم سے مماثلت رکھتے ہیں اور یہ نام ہندی تالوں کے ہیں اس ناچ میں کنہیا اور رادھا کے مکالمے کا تاثر ہوتا ہے جو مفارقت اور وصل کے ہنگام رونما ہوتا ہے یہ مکالمہ ہندی دوہروں میں لکھا جاتا ہے جیسے:۔

دوہرہ:۔ مور مکٹ کٹ کا چھنی کر مورلی اور مال
یہ مانک موہ من بسے سدا بہاری لال

دوسرا دوہرہ رادھا:۔

آپیارے موہنا ملک ڈھانپ تو ہے لیوں
نا میں دیکھوں اور کا نہ تو ہے دیکھن دیوں

جلسہ مذکور صرف شام کے وقت ہوتا ہے جب اس کا اہتمام و انتظام مکمل ہو چکا تو میں نے اپنے چھوٹے بھائی مرزا اسکندر حشمت بہادر کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی انہوں نے نہایت شوق اور خوشی سے میری دعوت قبول کرلی اور فلک سیر آکر جلسے میں شریک ہوئے۔

اس موقع پر تمام پریوں نے اپنے کپڑوں میں عطر حنا لگایا ہوا تھا ہونٹوں پر مسی اور عجیب ناز و انداز کے ساتھ میرے تخت کے اطراف کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں ناچ گانے کی یہ محفل اس قدر عمدہ تھی کہ ہر شخص کی زبان پر سوائے واہ واہ کے کچھ اور نہ تھا میرے بھائی پھول کی طرح کھلے ہوئے میرے پہلو میں بیٹھے تھے نیلے کے کنول اور مختلف رنگوں کی مرد نگیں جگہ جگہ لگائی گئی تھیں تخت کے اطراف پھول کی چادریں تھیں محلات پردہ نشین کے لئے چلمنیں چھوڑ رکھی تھیں اور وہ چلمنوں کے ادھر سے یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔

یہ حیات آفریں صحبت آدھی رات کے بعد موقوف ہوئی اور جملہ حاضرین اپنے اپنے مقام کو چلے گئے اور میں بھی سو گیا۔

۹۳

ایک میلہ

پریوں کی بے حد خواہش تھی کہ مینا بازار اور میلہ کا اہتمام ہو چنانچہ میں نے ان کی خواہش پوری کرنے کے لئے مینا بازار اور میلہ کا حکم نافذ کیا حکم کے نفاذ کے فوراً بعد ہی صناعوں اور پیشہ وروں نے اپنا سامان حاضر کیا نہایت قرینے اور سلیقے سے دکانیں سجائیں جس کسی نے بھی یہ مٹھائی کھائی دنیا بھر کی لذت سے اس کا دل بھر گیا۔ ایک جانب سبزی بیچنے والوں نے ہر قسم اور ہر رنگ کی سبزی ٹوکریوں میں ترکیب کے ساتھ رکھی تھی ولائتی میوہ فروش سیب، بہی، ناشپاتی، پستہ، بادام؛ نہایت عمدہ طریقے پر سجائے ہوئے تھے سیب اور بہی کے دیکھنے سے معشوقوں کے سیب ذقن بے ساختہ یاد آجاتے تھے انار اور ناشپاتی گلعذار معشوقوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے پستہ اور بادام کسی کے لب و چشم کے مماثل تھے ایک جانب بھنگ فروش نازنینیں عجیب ناز نخرے سے عاشقوں کا نشہ دوبالا کر رہی تھیں چرس اور تمباکو ان کے پینے والوں کے دلوں کا دھواں نکال کر فضا میں اڑا رہے تھے کباب کی دکانیں دل جلے لوگوں کے لئے تسکین کا باعث تھیں زخمی دلوں پر نمک پاشی ہو رہی تھی مرکباب مرغ و ماہی کے دلوں کو جلا رہا تھا اس پر ادرک اور لیموں کی ترشی الگ اپنا کام کر رہی تھی۔

بنواڑی اپنے پانوں سے ماہ پاروں کے منہ ارغوانی کر رہے تھے۔ کسی طرف نانبائی نے خوشگوار طریقے پر شیرمال اور کباب چن رکھے تھے جن کی بوئے جان پرور

سے دماغ معطر ہو رہا تھا ان کے بعد گل فروشوں کی دکانوں کی قطار شروع ہوتی تھی ہر دکان طرح طرح کے پھولوں کا مخزن تھی ان گل فروشوں کی مستانہ صدائیں نغمہ ہائے بلبل کی طرح نازنینانِ جہاں کے گوش گزار ہو رہی تھیں۔

ابرک اور مٹی کے قسم قسم کے کھلونے ارژنگ چین کی کاری گری پر طعنہ زنی کر رہے تھے۔

کھیل تماشے دکھانے والے مختلف قسم کے کرتب نہایت پھرتی سے دکھا رہے تھے ایک مقام پر نیولے اور سانپ کی لڑائی کا منظر تھا۔ دونوں ایکدوسرے سے بخوف تھے جیسے عشق پیچاں درخت سے لپٹا ہے غالب مغلوب کا سر زمین پر رگڑتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مغلوب غالب سے عاجز ہو رہا ہے دیکھنے والے اس بھیانک تماشے سے گھبرا اٹھتے تھے۔ لیکن ایک مجمع کثیر ان کے دیکھنے میں مشغول تھا۔ ان دونوں جانوروں کی حفاظت خدا کرنے والا ہے۔

ایک جگہ پر ایک صندوق اور اس کے قالب میں تہہ در تہہ کئی صندوق تھے جن میں بظاہر کھوڑے سے پر رکھے تھے لیکن تماشہ دکھانے والا حاضرین کو انہیں پروں سے کبوتر بنا کر دکھاتا تھا اس شعبدے کی وجہ سے بازار میں بڑی بھیڑ تھی۔

ایک طرف نٹوں کا کرتب جاننے والے تھے یہ لوگ ایران میں رسن باز اور شرنج ساز کے نام سے شہرت رکھتے ہیں اور وہاں وہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں نچلی ذات کے ہونے کی وجہ سے ان بازی گروں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اس کھیل کو پیش کرنے والے دس آدمی ہوتے ہیں ایک آدمی ڈھول پیٹتا جاتا ہے اور دوسرے آدمی مختلف طریقوں سے تماشائیوں کو اپنی طرف متوجہ رکھتے ہیں عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے ڈھول کی آواز میں جادو ہوتا ہے جس کی وجہ سے متحیر کن حرکتیں دکھائی دیتی ہیں۔

ایک شخص زمین میں نیزہ گاڑ دیتا ہے اور اس پر رسی باندھ کر رسی پر چڑھتا ہے پھر اپنے سر پر کوئی بھاری بوجھ لے کر دوڑتا ہے اسی طرح وہ شخص ننگی تلوار پر کھڑا ہو جاتا ہے اس کے بعد تلوار پر چل کر اور قلابازیاں کھا کر اسی رسی پر لوٹ آتا ہے اس کھیل میں اپنے جسم کو یہ لوگ تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور پھر ان ٹکڑوں کو ملا کر جوڑتے ہیں تو پہلے کی طرح آدمی زندہ ہو جاتا ہے غرض اس قسم کے جادو کے کھیل دکھانے والے سحر سامری کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کا قول ہے ہم بوڑھے کو جوان انسان کو حیوان اور مردے کو زندہ کر سکتے ہیں اور خشک بیج بوتے ہیں اسی لمحہ درخت اگ آتا ہے اور اس میں پھل پھول بھی نکل آتے ہیں اس گروہ کے کچھ آدمی باتوں میں لگے ہوئے تھے اور ان کی عورتیں اپنے حسن و جمال کی نمائش کر رہی تھیں۔

ایک جگہ پر داستان گو بیٹھے ہوئے تھے اور انکے مشتاقان داستان جمع تھے یہ لوگ عشق و محبت کی داستانیں طلسماتی حکایات اور جھوٹ موٹ واقعات سے سننے والوں کو حیرت کے دریا میں غوطے دے رہے تھے ان میں سے ایک قصہ بھی ایسا نہیں جو قرین قیاس ہو لیکن ان باتوں سے بوالہوسوں کے مبتذل جذبات کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

ایک مقام پر جواری اپنے کاروبار پھیلائے بیٹھے تھے انکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کی جیب پر ڈاکہ ڈالا جائے جو بھی لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے البتہ اس فن کے جو ماہر ہیں وہ اپنے ساتھیوں سے کانا پھوسی کر رہے تھے کچھ آدمی چوسر اور شطرنج بچھائے بیٹھے تھے ایک شخص نو، تیرہ فرش سے لے رہا تھا بعض آدمی اپنے کو وزیر یا فسر بنا کر کھیل کو لڑائی اور لڑائی کو کھیل بنا رہے تھے یہ بھی عجیب طرح کا لین دین تھا ایک غریب آدمی ملک جھپکتے میں تونگر اور دولت

مند آدمی دیکھتے دیکھتے کنگال ہو جاتا تھا اس ناہنجار کھیل کی وجہ سے غریب آدمی امیر آدمیوں پر بڑا ظلم کرتے تھے اور فعل بد کے خیال کو ذہن سے نکال کر حرص کے شکار ہوتے تھے اور فتنہ و دغا و فریب کی وجہ سے قعر مذلت میں گرے ہوئے تھے۔ لیکن رشوت خور محتسب اپنے حصول زر کی خاطر ان سے چشم پوشی کرتے تھے اور ہر بدکار آدمی سے ملے ہوئے تھے۔

اگرچہ امور خلاف شریعت کو بادشاہ دین پناہ کی شرع پروری روکنے کے لئے کافی تھی لیکن خود سر د آبرو دشمن رعایائے زشت اعمال اور تیرہ باطن عوام محتسب و قاضی شہر کی سختی کے باوجود حرکات ناشائستہ و افعال ناجائز کے مرتکب ہوتے تھے یہ لوگ گناہ اور حیوانی خصلتوں کے بانی تھے اور اپنی زندگی کو شیطان پرستی، بھنگ نوشی اور شراب خوری کی نذر کئے ہوئے تھے یہ مدہوش و مے پرست سرشار و بدمست اپنے لہو و لعب سے ایک لمحہ کو بھی غافل نہیں ہوئے ایک جام کیلئے جان دینے کو تیار تھے۔

یہی حال مدک نوشوں افیونیوں کا تھا، جب یہ لوگ اپنے ساتھیوں میں آ کر شامل ہوتے تو جزا و سزا کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہ رکھتے اور دنیا و ما فیہا سے غافل ہو جاتے ایک شخص حلیم پی کر اونگھ رہا تھا دوسرا خود رفتگی کے عالم میں بالکل برہنہ ہو کر مجذوبوں کے سے حرکات ظاہر کرتا تھا یا کبھی کبھی قلقل جام کی طرح کھل کھلا کر ہنستا یا مینا کی طرح رو دیتا غرض کہ ہر آدمی خشک و تر نشہ آور چیزوں سے اپنی خواہش کے مطابق شغل کر رہا تھا ان میں کوئی چیز پکی ہوئی تھی کوئی تلی ہوئی کوئی پسی ہوئی اور کوئی کشید کی ہوئی۔ بدمستوں کے آگے پارسائی کوئی چیز ہی نہیں اور زہد و تقویٰ ایک خشک اور بدذائقہ دوا کے مانند ہے جو حد درجہ کڑوی ہے۔

اس میلے میں ایک شیر لایا گیا تھا جو بکری کے تھنوں کو منہ لگا کر دودھ پیتا تھا میلے میں شریک ہونے والے تمام آدمی اس ناممکن عمل کے امکان پر حیران تھے۔

اس میلے کے لئے میں نے اپنی حور تمثال و پری پیکر کماریوں کو زربفت کے جوڑے اور میلے کے خرچ کے لئے بہت سا روپیہ عنایت فرمایا تھا میلے کے ہنگامہ ہوشربا میں وہ مشتری خصال و زہرہ جبیں ناز و انداز دکھاتی ہوئی اور نخرے کرتی ہوئی برق کی مانند میلے میں ادھر سے ادھر پھر رہی تھیں حاضرین میلہ ان عشوہ سازوں کی شان و شوکت دیکھ کر حیران تھے اور ان کی زبان پر الامان الامان کا ورد جاری تھا مابدولت و اقبال مرکب حشمت اجلال ہاتھی پر سوار ہو کر نکلے اور دونوں ہاتھوں سے روپیہ لٹاتے ہوئے راستہ طے کر رہے تھے اور میلے کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر اپنا سایۂ عاطفت ڈالتے ہوئے میلے کی دلچسپیوں کو دیکھ رہے تھے۔ فقیروں اور محتاجوں کو بے نیاز کر دیا گیا اور سرکاری آدمیوں کو حکم دیا گیا کہ میلے کا جملہ سامان اور وہ تمام برتن جن میں یہ سامان رکھا ہوا ہے دس گنا دام دے کر خرید لیا جائے تاکہ تمام دوکاندار مالدار ہو جائیں اور یہ بخشش صفحۂ روزگار پر یادگار رہے اور خرید ہوا مینا بازار کا یہ سامان اعلیٰ حضرت قدر منزلت سلطان ابن السلطان خاقان ابن الخاقان حضرت محمد امجد علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت بابرکت میں ہدیتہً بھیج دیا گیا انہوں نے ازراہ شفقت پدری ان چیزوں کو قبول فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ تم نے تمام مینا بازار خرید لیا لیکن ہمیں اطلاع نہ کی۔ خرچ کچھ ہوا اچھا ہوا لیکن آئندہ اطلاع دینا لازمی ہے۔

۹۷

جشن ماہتابی

قدیم روایت کے مطابق ہر بادشاہ نے اپنے منظور نظر لوگوں کے لئے ہر فن کی

تعلیم کا انتظام کیا اور کمال کے درجہ تک پہنچانے کا پورا بندوبست کیا اور ایسے ہی بادشاہوں میں بادشاہ دہلی محمد شاہ اور سلطان بیجاپور ابراہیم عادل شاہ اور دیگر سلاطین سلف حسین وجمیل عورتوں کو فن موسیقی کی تعلیم دلوا کر انہیں گائکی کے لفظ سے یاد کرتے تھے چنانچہ مادولت نے بھی اس رسم پر کاربند ہو کر کئی ایک زہرہ جبینوں اور پری پیکروں کے لئے فن موسیقی کا انتظام کیا جن کی نظر ظالم اشارہ جان عاشق کے لئے تیر کی مثال ہے جن کی چوٹیوں کی مو باف مار سیاہ ہے ابروز ہریلے بچھو ہیں جو ڈنک مارنے کو تیار ہیں جب یہ گانے لگتی ہیں تو لحن داؤدی کا معجزہ پیش نظر ہو جاتا ہے اور روح تن سے نکلنے کو بے تاب ہو جاتی ہے اگر ناچ کے لباس سے آراستہ ہو جائیں تو آتش پرست سجدے میں گر پڑیں ان کے بھڑکیلے لباس اور خوبصورت زیور دیکھ کر لوگ حیران ہوتے ہیں جب یہ ناچتی ہیں تو ناہید دائرہ اٹھا کر پھینک دیتی ہے اور یہ افسوں طرازی کا کمال سیکھنے کے لئے خوشامد پر اتر آتی ہے جب یہ اپنا دامن اٹھاتی ہیں تو مور تابعداری کو آتا ہے۔

ترکانہ اداؤں سے جان لینے والی اور سخن عیسوی سے روح کو تازہ کرنے والی بارہ گھنٹوں میں بارہ مقامات پر نئی دھنوں نئی آوازوں اور نئے انداز سے کام لیتی ہیں جس سے لیل ونہار کی نیرنگیاں نمایاں ہوتی ہیں رقص کے دوران جب ہاتھ اوپر کو اٹھاتی ہیں تو مچھلی کی طرح ہوا میں تھرکتی ہیں۔

میں نے جب اس فن کی تکمیل کا حکم دیا تو تھوڑے ہی دنوں میں ان پری پیکروں نے ایسی مہارت حاصل کر لی کہ اگر اس فن کے استاد جیسے تان سین اور بیجو بھی ہوتے تو ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمتر تصور کرتے۔

قمری مہینے کی چودھویں تاریخ تھی چاند اپنی آب و تاب میں درجۂ کمال تک

پہنچا تھا۔ اس فن کے جاننے والوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کہا انہیں ہر قسم کے کھانوں اور لذیذ چیزوں میں سے جس چیز کی بھی ضرورت ہو تیار کروا لو میرے حکم کی بنا پر تمام مشتاق فنکار حاضر دردولت ہو گئے جب تمام آدمی جمع ہو گئے اور محفل آراستہ ہوئی تو ان سیم بروں میں سے ہر ایک نے باری باری اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور اپنے ناچ گانے سے کائنات کو سرشار کر دیا اس وقت کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ ماہ وشوں کی کسی بات پر حرف زنی کرے یا کوئی مین میخ نکالے ان سب میں خاص کر سلطان پری نے اپنے کمالات کا ایسا مظاہرہ کیا کہ مجھے ان سے عشق ہو گیا سارے کاملین فن نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ موسیقی نہیں سحر سامری ہے۔

۹۵

کریم بخش امیر بخش والی

ایک روز کا ذکر ہے جب کہ آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے اور میں رقص و سرود سے لطف اندوز ہو رہا تھا اس وقت مسماۃ منیڈ و محل والی (جو کہ نصیر الدین حیدر مرحوم کے محل کی گانے والیوں میں تھی اور ان کے انتقال کے بعد کسبی کا پیشہ کرتی تھی) اس محفل میں آ کر شریک ہوئی یہ کوئی پینتیس برس کی عورت ہے۔

پہلے اس نے امتن سے تعلقات پیدا کئے اسکے بعد غلام رضا خاں اور چھوٹے خاں کو ساتھ لے کر عین برسات کے موسم اور اندھیری رات میں بڑی تکلیفیں برداشت کر کے مجھ تک پہنچی میں نے اس کو شرف باریابی بخشا اور دو چھ ماہ تک بڑی شان و شوکت سے آتی رہی لیکن زیادہ عمر والی ہونے کی وجہ سے میں نے اسکے ساتھ تعلقات منقطع کر دیئے میں نے کچھ سامان اور دو ہزار روپے کے کپڑے اس کے ساتھ کر دیئے۔

اگرچہ جی نہ چاہتا تھا کہ اس کو الگ کروں لیکن اس ہندی مثل کے مطابق جدائی اختیار کرنی پڑی۔

دونوں ہاتھ سے تالی بجتی ہے۔

اس کے چند دن بعد عمدہ خانم والی پیاری سے ربط محبت بڑھایا یہ عورت ترچھا دیکھتی تھی اور پیاری عمدہ خانم والی کے نام ہی سے مخاطب کی جاتی تھی میں نے اس کے پیچھے کئی ہزار روپے برباد کئے لیکن ترچھی ہونے کی وجہ سے بعد کو علیحدہ کر دیا۔

اس کے بعد بانو فرخندہ والی سے محبت کی یہ عورت بھی کسی زمانہ میں نصیرالدین حیدر مرحوم کے ہاں گانے والیوں میں نوکر تھی وہ خود بھی مجھ پر بری طرح شیدا تھی کامل ایک سال تک وہ میرا گھر چھوڑ کر کسی اور جگہ نہیں گئی لیکن سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی چھوڑنا پڑا مجھ سے چھوٹنے کا اس کو بڑا ملال تھا اور میری مفارقت میں روتی رہتی تھی آخر اس نے مجبور ہو کر محمد رضا خاں سے متعہ کر لیا لیکن اسوقت تک بھی میرے ایک محل کے ہاں مصاحب کی حیثیت سے ملازم ہے اور جب کبھی موقع ملتا ہے میرے گھر لوٹنے کا پیغام بھیجتی ہے لیکن میں انجان ہو جاتا ہوں۔

اسی کی طرح چھوٹی گوہر نامی ایک عورت مجھ پر عاشق ہوئی اور ایک سال تک وہ آرزوئے وصال لئے رہی اکثر غلام رضا خاں کے ذریعہ دونوں کے مابین سلسلہ پیغام جاری رہا لیکن معلوم نہیں کس سبب سے وہ گھر نہیں پڑی جس کی وجہ سے اس کی ملاقات کو بھی ترک کرنا پڑا۔

اس سے پہلے حسین آباد کی ایک مسماۃ ولایتی بھی مجھ پر عاشق ہوئی اور اب بھی وہ مجھ پر فریفتہ ہے لیکن موسیقی کے فن سے ناواقف ہونے کی وجہ سے میں نے اس کی خواہش کی تکمیل نہ کی۔

امراؤ چھوٹی خانم والی بھی میرے حضور میں آئی تھی لیکن چونکہ اس وقت میں

بستر علالت پر تھا اس لئے اس سے محبت نہ کی جا سکی۔

کنہیا کا ما دالی بھی عرصہ تک مجھ پر مرتی رہی لیکن میں نے اسے کبھی قبول نہ کیا مجبوراً وہ مسمی احمد علی داروغہ عمارت حسین آباد کے گھر پڑ گئی اور اب تک اسی کے پاس ہے۔

ایک کسبی مسماۃ بخشی جو نہایت بھدی اور سیاہ فام تھی وہ ایک مرتبہ میرے حضور میں آئی یہ عورت گاتی بہت عمدہ تھی لیکن بوڑھی اور بد ہیئت ہونے کی وجہ سے وہ میرے گھر نہ پڑ سکی۔

چھلہ بی بادانی صرف ایک رات میرے حضور میں پیش ہوئی اس کے بعد بندی حلبن والی جو حیدر حسین خاں پیش دست داروغہ دیوان خانہ سلطانی کی عاشق تھی ایک دن بھولے سے میرے سامنے آ گئی لیکن میں نے اس کو بھی رخصت کر دیا یقین ہے کہ اب بھی وہ حیدر حسین خاں سے رسم و راہ رکھتی ہوگی۔

اچھی گلزاری بل والی مدت تک میری محبت کا دم بھرتی رہی لیکن میں نے نامنظور کر دیا آخر مایوس ہو کر کسی اور کے گھر بیٹھ گئی ہے۔

اس کے بعد علی جان نامی عورت نے مجھ سے محبت کی ابتدا کی وہ بھری مجلس میں ناچ گانے کے وقت مجھے اشارے کیا کرتی تھی۔ کبھی سب کے سامنے میرا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اور کبھی میری موزوں کی ہوئی غزلیں اور ٹھمریاں تعویذ بنا کر گلے میں پہنتی تھی کبھی گریہ وزاری کرتی اور کبھی میرے گھر پڑنے کے پیغام بھجواتی تھی اور عرض کرتی تھی کہ مجھے بھی پریوں کے زمرے میں شامل کر لیا جائے یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کا کچھ کچھ لحاظ تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی اسباب ایسے پیدا ہو جائیں کہ اسے گھر بٹھا لیا جائے۔

انہیں دنوں میں نے کرم بخش امیر بخش والی کے عاشق ہونے اور اس کی ماں کے ناخوش ہو کر محکمہ شرعیہ میں مقدمہ دائر کرنے کا حال سنا تھا اسی زمانے میں

داروغہ میر محمد مہدی کے پیش دست کی حیثیت سے میر علی حسین میرا ملازم تھا اور داروغہ مذکور کے جملہ کاروبار اسی شخص کے ہاتھوں تکمیل پاتے تھے آغا حسن اسی میر علی حسین کا عینی بھائی تھا۔

محمد معتمد علی خاں کو گانے بجانے والی عورتیں فراہم کر کے میرے حضور میں پیش کرنے کی بہت فکر رہتی تھی لہذا ان کی تمنا تھی کہ کریم بخش امیر بخش والی کا مقدمہ رفع دفع ہو جائے اور آغا حسن کے عشق کے سلسلہ کو کسی طرح قطع کروا کر اس کو میرے گھر میں بٹھا لیا جائے ثابت علی خاں بھی دوسرے معاملہ میں کچھ ایسا ہی منصوبہ باندھ رہے تھے یعنی وہ علی جان سنگی والی کو میرے حضور میں حاضر کرنے کی دھن میں تھے میں نے دونوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تم دونوں آدمی ان عورتوں کے مقدمہ کو کچھ ادھر ادھر کر کے میرے حضور میں پیش کرو۔

علی جان چونکہ ایک سپاہی سے محبت کرتی تھی اس لئے میرے ہاں آنے پر راضی نہ ہوئی لیکن مجھے تعجب تھا کہ وہی عورت میرے سامنے مجھ سے اظہار عشق کرتی تھی اپنے گھر بٹھانے کے لئے مجھے قسمیں دیا کرتی تھی یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے لیکن پھر میں نے اپنے دل میں کہا جب وہ میرے سامنے آئے گی تو سارا بھید کھل جائے گا۔

چونکہ وہ مرافعہ کے سلسلہ میں قید تھی اس لئے اس کے آنے کی کوئی سبیل نہ تھی انشاء اللہ اس کا مفصل حال اپنے تخت موروثی پر جلوس فرمانے کے بعد قارئین کی خدمت میں بیان کروں گا۔

میں نے کرم بخش امیر بخش والی کو شیخ حسین علی نجف علی شاعر اور چھوٹے خاں کی معرفت خفیہ طور پر زندان مرافعہ میں مکتوب محبت بھیج کر اپنا گرویدہ بنا لیا ادھر آغا حسن کو بلایا اور اسے بہت کچھ سمجھایا لیکن اس غبی نے میرے

سامنے تو میری بات مان لی لیکن یہاں سے جانے کے بعد ایک عرضداشت حضرت جنت مکان کے حضور میں پیش کی جس میں مجھ پر جبر و تشدد کا الزام لگایا تھا اس عرضداشت کی بنا پر ارباب مرافعہ کو اس مضمون کا ایک تاکیدی حکم بھیجا گیا۔

شاید مرزا ولی عہد بہادر کے متوسلین میں سے کوئی آکر مقدمہ میں سفارش کی کوشش کریں ایسی صورت میں کسی کی نہ سنی جائے اور کریم بخش کو امیر بخش کے حوالے کر دیا جائے۔

چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا کریم بخش کو اس کی ماں امیر بخش کے پاس بھیج دیا گیا۔

میں کامل ایک ماہ تک اسی کی دلجوئی کرتا رہا اور سمجھایا کہ تیری ماں امیر بخش اب تیرے قابل نہیں ہے اور وہ تیری جان کی دشمن ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد وہ میرے گھر پڑنے پر راضی ہوئی اور آغا حسن کا دعویٰ باطل ہو گیا لیکن وہ بے عقل امیر بخش کسی صورت بھی راضی نہ ہوئی اور میرے دل کو زبردست دھکا پہنچایا۔

جب کریم بخش مرافعہ سے چھوٹ کر اپنی ماں امیر بخش کے گھر آگئی تو آغا حسن سے نہ ملی معلوم ہوا کہ آغا حسن نے ندامت کے مارے چار پانچ تولے افیون کھالی لیکن وہ شاید سخت جان تھا جواب تک زندہ ہے۔

میں نے علی جان اور کریم بخش کے معاملہ میں بعض ارکین سلطنت کے ہاں بھی ثابت علی خاں اور محمد معتمد علی خاں کے ذریعہ بڑی با اثر سفارشیں پہونچائیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ارباب مرافعہ میں سے ایک شخص آغا محمد کو بانچ روپے بھیجے اس نے روپیہ قبول کر لیا لیکن میری منشاء کے مطابق کام نہ کیا۔ کیا بتاؤں

مجھے ارباب مراقبہ نے کسی قدر تنگ کیا ہے میں نے محبت و اخلاص کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر چند خطوط بھی لوگوں کو بھیجے ایک خط بھی مفید ثابت نہ ہوا جس کا میرے دل پر زبردست داغ ہے کئی ہزار روپے مراقبہ اور محکمہ شرعیہ میں خرچ کئے لیکن میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا میں والد ماجد کے ڈر سے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا اللہ تعالےٰ نے کوئی ایسے اسباب مہیا کرے کہ یہ مفارقت کا پردہ درمیان سے ہٹ جائے۔

۹۶

بندی عمدہ والی

رمضان المبارک کا مہینہ تھا میں سحری کھا کر ابھی سویا ہی تھا کہ محمد معمد علی خاں نے بے وقت آکر میری کمر کو دبایا میں نے بیدار ہو کر کہا ایسے وقت تو نے مجھے کس لئے زحمت دی اس نے عرض کیا بندی عمدہ والی نامی ایک عورت حضور کے عشق میں دیوانی ہو کر آئی ہے اور اس وقت وہ جہاں نما میں بیٹھی ہوئی ہے

اس عورت پر چونکہ پہلے ہی سے میری نظر تھی لہذا اسی وقت جہاں نما گیا وہ واقعی وہاں بیٹھی ہوئی ملی مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ کو گلے سے لگا لیا میں نے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ مجرے کے حیلے سے یہاں تک آئی ہوں اگر میری ماں کو یہاں آنے کی اطلاع ہو گئی تو وہ سخت برہم ہو گی میں نے پوچھا آئندہ ملاقات کس طرح ممکن ہے اس نے جواب دیا ایام ماتم ختم ہونے دیجئے اسکے بعد میں خود چلی آؤں گی۔

اسی دن کے بعد سے میرے دل میں اس کی محبت کا تیر پیوست ہو گیا خدا کرے فراق کی مدت ختم ہو جائے اس دوران میں اس سے دو چار مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا لیکن چند وجوہات ایسی تھیں کہ اسے گھر بیٹھانے کا موقع نہ ملا۔

۹۷

امیر بخش کسبیہ

میری مصاحبوں میں سے ایک مصاحب کے توسط سے آکر امیر بخش نامی ایک کسبیہ میرے ہاں ملازم ہوئی اور ساتھ ہی مجھ پر عاشق ہو گئی۔ یہ عورت حضور باغ کے ایک کمرے میں اتاری گئی چھوٹے خاں کے ذریعہ میں نے اس کے آرام و آسائش اور دیگر ضروری اسباب کا انتظام کروا دیا میں اکثر اس کے کمرے میں جا کر بیٹھا کرتا تھا اکثر رقص و سرود کی محفلیں بھی ہوتی تھیں پریوں نے یہ دیکھ کر بڑا شور مچایا اور معشوقۂ خاص کی طرف سے تو ایک اچھا خاصا فساد ہی برپا ہو گیا۔

اس کے علاوہ اس عورت کو ایک عارضہ بھی تھا اس لئے اس سے ملنا جلنا ترک کیا الحمدللہ والمنۃ۔

۹۸

محفل کی آراستگی

ایک روز میں نے ایک ایسی جگہ محفل سجائی جہاں برگ و بار سے لدے ہوئے درخت خوشگوار ہوا کے جھونکوں سے رقص کناں تھے اور مستی میں جھومتے ہوئے

طاؤس ان کا جواب پیش کر رہے تھے حضور باغ اور شہنشاہ باغ میں ہر طرف فانوس ولایتی روشن تھے قصر خاقان کے چبوترے پر فرش کا انتظام کیا گیا تھا۔ پریاں بنچوں پر جلوہ افروز تھیں خوش نوا مطرب اور آتش نفس مغنی مصروف نغمہ سرائی تھے۔ میں نے اس موقع پر:-

رشک پری کو ملکہ ماہ عالم معشوقہ خاص نواب شہزادی بیگم صاحبہ کا خطاب عنایت فرمایا۔

شہنشاہ پری کو مشفقہ جہانی حسن آرا نواب شہنشاہ بیگم صاحبہ۔

سردار پری کو شفیقۃ الزمانی مہ لقا سردار بیگم صاحبہ۔

سرفراز پری کو عاشقہ خاص انجمن افروز سرفراز بیگم صاحبہ۔

سکندر بیگم صاحبہ کو حبیبۃ السلطان مکرمۃ الزمانی سکندر بیگم صاحبہ۔

دلدار پری کو محبوبہ خاص عاشق نما دلدار بیگم صاحبہ۔

دلربا پری کو بزم افروز دلربا پری

امیر پری کو خورشید لقا امیر پری۔

حور پری کو جان جہاں حور بیگم۔

کے خطاب مرحمت فرمائے باقی پریاں اپنے اپنے خطاب پر قائم رکھی گئیں۔

اسی دوران میں سب پریوں کو باہر کے مکانوں میں سے ایک ایک مکان رہائش کے لئے دیا گیا اور ہر ایک بیگم کی خدمت کے لئے چار چار مرد نوکر مقرر فرمائے گئے اور زریں چھتریاں ان کی زیبائش کے لئے دی گئیں۔

میں چونکہ معشوقہ خاص کا عاشق تھا اور ہمیشہ روپیہ پیسہ اسی کی تحویل میں دیتا تھا اس لئے وہ عمدہ عمدہ قسم کے لباس تیار کروا کر مجھے پہناتی تھی۔ اس لئے میں معشوقہ خاص کا ہمیشہ مشکور رہتا تھا اس خدمت کے صلہ میں ماہانہ کئی ہزار کی آمدنی

کے قطعات زمین جو والد ماجد کے زمانہ میں میرے نام معاف تھے۔ سب میں نے اسی کے نام منتقل کردیئے اس کے علاوہ زر و جواہر سے بھی اسے سرفراز فرمایا جس کی تفصیل بیان کرنا باعث طوالت ہوگا۔

اسی زمانہ میں مرزا احسن نامی ایک مولوی کو میں نے مقرر کیا اور مکان کا ایک حصہ مکتب خانہ کے لئے مخصوص کیا اس کے بعد ہر ایک بیگم نے اپنی لیاقت کے مطابق شرعی علوم کی تکمیل کی اور میرے آبائی تخت پر جلوس فرمانے تک یہ سلسلہ جاری رہا اسی زمانے میں سرفراز بارے والی ماہانہ پانچسو روپے پر میرے ہاں ملازم ہوئی۔ یہ وہی سرفراز بارے والی ہے جس کا تذکرہ نواب نشاط محل بختی بیگم صاحبہ کے بیان میں کرچکا ہوں یہ عورت حضرت جنت مکان کے رحلت فرمانے اور میرے تخت نشین ہونے تک ملازم رہی۔

⁂

تیسرا باب

۹۹

حضرت جنت مکاں کا انتقال

جس وقت میرے والد حضرت جنت مکان راہیٔ ملک بقا ہوئے اس جانکاہ غم سے دنیا اندھیر ہو گئی دستِ الم سے تمام ملازمین نے دامن صبر و تشکیب پھاڑ ڈالے گلزار لکھنؤ جو درحقیقت باغ ارم کو بھی شرماتا ہے گلزار خزاں رسیدہ معلوم ہونے لگا طیور راحت آشیانہ دل سے رخصت ہو گیا آہوان آرام انسانوں کے حرم جان سے رم کر گئے صدف چشم اشکوں کے موتیوں سے پُر ہو گئے ہر سینے میں دست ماتم کی ضربیں پڑنے لگیں دود آہ سے زیر آسمان ایک دریا آسمان استادہ ہو گیا اشکوں کا سیلاب طوفان نوح کی یاد تازہ کر رہا تھا خاص کر یہ بندہ جو جنت مکان سے بے حد محبت رکھتا تھا ان کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔

یکایک ہمائے اقبال اوج پر آیا اور ستارۂ فرخندگی اپنا جلوہ دکھانے لگا باغبان گلشن ایجاد کو منظور تھا کہ گلشن لکھنؤ کے برگ و بار پھر سے تر و تازہ ہوں اور دوبارہ تخت و تاج کو زینت بخشی جائے۔

اس وقت والد ماجد کی مفارقت میں میرا دل ٹکڑے ٹکڑے تھا اور ان کی اندوہناک ہجرت سے درد جگر افزوں تھا چار گھڑی رات اپنا سفر ختم کر رہی تھی کہ انگریزی چپراسی جس کو بڑے صاحب نے بھیجا تھا آیا اور کہنے لگا بڑے صاحب نے کہلوایا ہے کہ چھوٹے صاحب حاضر نہیں ہیں اس لئے مالک صاحب بندگان عالی کی ہمرکابی کے واسطے حاضر ہیں ان کے ساتھ آپ تشریف لائیں چنانچہ میں اسی عالم رنج وملال میں نقرئی بوچہ پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا وہ بھی ایک عجیب وقت تھا تمام جاں نثاران در دولت بوچہ کو گھیرے ہوئے تھے جس وقت میں گلستان ارم میں داخل ہوا بڑے صاحب سے بات چیت ہوئی اور یہ سوال در پیش ہوا کہ والد ماجد کو انتقال کے بعد کس لقب سے یاد کیا جائے میں نے کہا میرے جد امجد کا لقب فردوس منزل ہے اسی مناسبت سے انہیں جنت مکان کہنا مناسب ہو گا۔

۱۰۰

تخت نشینی

اس ملاقات کے بعد میں مکان کی بالائی منزل پر آیا اور نماز دوگانہ ادا کی اور مجتہد العصر والزماں نے میرے سر پر تاج رکھا اس کے بعد میں نے تخت پر جلوس فرمایا اور جس قدر اراکین دعائدین سلطنت موجود تھے انہوں نے نذریں پیش کیں ساتھ ہی اسلامی کی توپیں چھوڑی گئیں میں چند لمحہ تخت پر بیٹھا رہا۔

چونکہ میں پیکر غم واندوہ بنا ہوا تھا اور ایک لمحہ کے لئے بھی میرے آنسو نہ تھمتے تھے اس لئے بارہ دری کے پیچھے والے مکان میں جا کر آرام کیا۔ اس رات کو چونکہ معشوقوں اور پریوں کی معیت نہ تھی۔ لہذا محمد معتمد علی خاں کے ذریعے

ایک ایک انگوٹھی ہر ایک پری اور ہر ایک بیگم کی بطور نشانی منگوالی اور انکا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔

اس کے دوسرے روز مصاحبان خاص اور دیگر اشخاص کو تو از خلعت اور معقول خطاب سے ممتاز فرمایا اس زمانہ میں میرے استاد امین الدولہ بہادر مدار المہام تھے اور یہ عہدہ میں علی نقی خاں کو دینا چاہتا تھا اس وجہ سے انہیں خطاب عنایت فرمایا گیا کہ آئندہ دیکھا جائے گا۔

اس وقت میں نے جو خطابات دیئے وہ حسب ذیل ہیں :-

غلام رضا خاں۔ رضی الدولہ مرضی الملک غلام رضا خاں بہادر ہزبر جنگ۔

چھوٹے خاں۔ انیس الدولہ مونس الملک خانہ زاد خاں بہادر۔

ثابت علی خاں۔ ثابت الدولہ بہادر۔

غلام یداللہ خاں۔ قطب الدولہ مفتاح الملک مونس دل پذیر۔

محمد قطب علی خاں بہادر۔ قائم جنگ مصاحب خاص حضرت سلطان عالم خلداللہ ملکہ وسلطنتہ۔

دیگر مصاحبوں کے خطاب وہی باقی رہے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر خطاب کے آخر میں مصاحب خاص حضرت سلطان عالم خلداللہ ملکہ وسلطنتہ کا لفظ لازمی تھا اسی طرح شیخ غلام علی بہادر الدولہ میر اکبر علی جو اس وقت مصلح السلطان کے پیش دست ہیں اکبر الدولہ کے خطاب سے ممتاز ہوئے اور آدمیوں کو حسب مراتب و اہلیت خطاب دیئے گئے، خواجہ سراؤں کو بھی حسب تفصیل ذیل خطابات سے سرفراز کیا گیا۔

محمد معتمد علی خاں۔ دیانت الدولہ متدین الملک (دوامی)

محمد بشیر علی خاں۔ بشیر الدولہ مبشر الملک (دوامی)

محمد ریحان علی خاں گلبن الدولہ بہار الملک محمد ریحان علی خاں سر سر جنگ

میرے زمانہ ولیعہدی میں دیانت الدولہ کے توسط سے ایک اور خواجہ سرا جو حبشی نژاد تھا ملازم ہوا تھا اس کو احسن الدولہ محسن الملک کا دوامی خطاب دیا گیا یہ شخص بڑا لائق فہمیدہ علوم عربی و فارسی سے بہرہ در اور بڑا نیک آدمی ہے۔

حاجی محمد ہلال علی خاں کو زائر الدولہ کا خطاب دیا گیا میرے ایام ولی عہدی میں ایک اور حبشی نژاد خواجہ سرا نواب سلیمان محل صاحبہ کے ہاں سے آیا تھا اسکو بھی مبارک الدولہ خورد کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

مرتضی الدولہ بہادر کو جھنگھور نامی پلٹن کی افسری دی گئی اس پلٹن میں چار سو انگریزی سوار ہیں جن کو ترک سوار کہا جاتا ہے اور یہ پلٹن رسالہ باڈی گارڈ سے موسوم ہے۔

افسر الدولہ بہادر کو توپ خانہ نگریا اور بالک گنج کی خدمت دی گئی۔

رضی الدولہ بہادر کے برادر نسبتی غلام حسن خاں کو وحید الدولہ کے خطاب دائمی سے ممتاز کیا گیا اور دو آب خانہ سلطانی کی داروغگی کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

وہاج الدولہ بہادر کو سلطانی میگزین اور ثابت الدولہ بہادر کو تمامی گنجیات کی خدمت سے مفتخر کیا گیا۔

قطب الدولہ بہادر کو دفتر سلطانی کی خدمت دی گئی۔

فیروز خواجہ سرا کو فیروز الدولہ بہادر کا خطاب دے کر محلات وثیقہ دار کی نظارت پر فائز کیا گیا۔

محلات حضور کی نظارت پر بشیر الدولہ بہادر۔

بہار الدولہ کو بھرمار پلٹن کی کمیدانی کی خدمت عطا ہوئی۔

ایک قدیم مصاحب مسمی بھورا کو اعزاز الدولہ کا دوامی خطاب دیا گیا۔

محمد معتمد علی خاں کی خدمات از سر نو مقرر ہوئیں۔

گلبن الدولہ بہادر کو گاؤ خانہ سلطانی کی خدمت دی گئی۔

مبارک الدولہ بہادر کو نجف اشرف اور مقبرہ مرزا الخیر الدین حیدر مرحوم و مغفور کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

دس لاکھ روپے جنت مکان کے مقبرے کی تعمیر کے لئے خزانہ عامرہ سے غلام علی خاں ابن غلام رضا خاں کو جو نجیب الدولہ بہادر کے خطاب سے ممتاز ہے اور سکندری پلٹن کی کمیدانی پر مامور تھا عنایت کئے گئے اور اس کی مددگاری کے لئے بشیر الدولہ بہادر کو بھی حکم دیا گیا۔

شیخ محمد بخش کو جو ولیعہدی کے زمانہ میں داروغہ کول خانہ اور پیش دست انیس الدولہ بہادر تھا حسب سابق داروغگی کول خانہ کا خلعت دیا گیا اور آخر میں جدید انگریزی پلٹن کی کمیدانی پر ممتاز کیا گیا۔

جاں نثار سرکار حضور ولی عہد بہادر کرنیل حاجی محمد شریف علی خاں کو مشرف الدولہ شریف الدولہ جان نثار سرکار حضرت سلطان عالم خلد اللہ ملکہ و سلطنۃ کرنل حاجی محمد شریف شرادت جنگ کا خطاب اور ترک سواروں کی افسری جس کا نام باڈی گارڈ ہے کا اعزاز بخشا گیا۔ ولی عہدی کے زمانہ میں تمام عملہ امور داخلی انہیں کے متعلق تھا وہ بدستور رہا۔

کچھ دنوں بعد امین الدولہ زخمی ہو کر اپنی خدمت سے علیحدہ ہو گئے انکی جگہ علی نقی خاں نے مدار الدولہ بہادر کے خطاب سے فیضیاب ہو کر وزارت کی کرسی سنبھال لی۔

۱۰۱

بیگموں اور پریوں کا محل قرار پانا۔

زمانہ ولیعہدی میں تمام بیگموں پریوں اور معشوقوں کی عادات وخصائل انکی وفاداری اور ان کی بے وفائی کا مجھ پر اظہار ہو چکا تھا۔ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونیکے بعد ان کو بے پردہ رکھنا مناسب نہ تھا۔ لہذا میں نے یہ تجویز سوچی کہ سب کو روپے پیسے کا لالچ دیکر پردے میں بٹھا یا جائے لیکن ان میں کچھ عورتیں جو بے وفا تھیں بھاگنے کی فکر کرنے لگیں لیکن انہیں اس کا موقع نہ ملا۔

آخر ایک روز میں نے تمام پریوں کو پردے میں بٹھا کر خطابات سے سرفراز فرمایا جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

معشوقہ خاص کو ملکہ ماہ عالم معشوقہ خاص حضرت سلطان عالم نواب سلطنت محل صاحبہ۔

شہنشاہ بیگم کو منقفۂ جہانی حسن آرا تریچھی جان نواب شہنشاہ محل صاحبہ۔

سرفراز بیگم کو عاشقۂ خاص انجمن افروز نواب سرفراز محل صاحبہ۔

دلدار بیگم کو محبوبۂ خاص جان عاشق تما نواب دلدار محل صاحبہ۔

سردار بیگم کو شفیقۃ الزمانی بانکی جان مہ لقا نواب سردار محل صاحبہ۔

بزم افروز دلربا بیگم کو بزم افروز نواب دلربا محل صاحبہ۔

خورشید لقا امیر بیگم کو خورشید لقا نواب امیر محل صاحبہ۔

جان جہاں حور بیگم کو نواب حور محل صاحبہ۔

سلطان پری کو نواب سلطان جہاں محل صاحبہ۔

یاسمن پری کو نواب یاسمن محل صاحبہ۔

حضور پری کو نواب حضور محل صاحبہ۔

سکندر بیگم کو حبیبۃ السلطان مکرمۃ الزمان نواب سکندر محل صاحبہ۔
وزیر پری کو نواب خورشید محل صاحبہ۔
نواب معشوق محل صاحبہ کو ملکۂ ملک تاج النساء نواب معشوق محل صاحبہ۔
نواب نشاط محل صاحبہ کو مہرتن افسر النساء نواب نشاط محل نیخی بیگم صاحبہ۔
نواب عزت محل صاحبہ کو ملکۂ پری وش نواب سلطان محل صاحبہ۔
افتخار النساء خانم صاحبہ کو نواب حضرت محل صاحبہ۔
امراؤ خانم کو نواب امراؤ محل صاحبہ۔
فرخندہ خانم کو مبارک النساء فرخندہ خانم صاحبہ
عجائب پری کو عجائب خانم صاحبہ۔
بادشاہ بخش کو راحت السلطان۔
شیریں حبشن کو آرام السلطان۔
ماہ رخ پری کو ماہ رخ بیگم صاحبہ۔
لیلیٰ حبشن کو مطیع السلطان۔
عنبر افشاں حبشن کو حاضر السلطان۔

حیدری بیگم مرثیہ خوان جو میری ولی عہدی کے زمانہ میں شیشہ پیس کر کھانے کے جرم میں محل سے نکال دی گئی تھی اور یہاں سے نکلنے کے کچھ دن بعد ہی قطب الدولہ بہادر کے ذریعہ پھر میری سرکار کے آسامیوں کے زمرے میں شامل ہو گئی تھی سیدۃ النساء حیدری بیگم صاحبہ کے خطاب سے ممتاز ہوئی۔

شہنشاہ محل صاحبہ دلدار محل صاحبہ سکندر محل صاحبہ۔ سرفراز محل صاحبہ سردار محل صاحبہ کو ماہانہ تین تین ہزار روپے کی منظوری سے مشرف کیا گیا۔ اور دوسری محلات و بیگمات کے دو دو ہزار روپے ماہوار مقرر ہوئے نواب خاص محل

صاحبہ کو ملکۂ مخدرۂ عظمیٰ نواب بادشاہ محل صاحبہ کا خطاب دیکر پانچہزار روپے ماہانہ جاری کیے گئے اسی طرح شاہزادوں شہزادیوں کو بھی خطاب اور ماہانہ تنخواہ سے سرفراز کیا گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جملہ صاحبان محل اور مصاحبوں اور خواجہ سراؤں کو نوٹ کے کاغذ اور کئی کئی لاکھ روپے دے کر مفتخر کیا گیا۔

حبیبۃ السلطان کو خاص کھلانے کی خدمت بخشی گئی تھوڑا زمانہ گزرا تھا کہ مرزا فلک قدر بہادر مرتبۂ ولی عہدی پر اور مرزا کیوان قدر بہادر جرنیلی کے عہدے پر ممتاز کئے گئے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دونوں آپس میں سوتیلے بھائی تھے۔

۱۰۲

علی جان منگی والی

میری تخت نشینی کے بعد جب دو ماہ گزر گئے تو بیگموں اور پریوں کی جدائی میں جو محل کے مرتبہ کو پہنچی تھیں میں زار و قطار روتا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی چین نصیب نہ تھا لیکن مجبوری تھی میں کر ہی کیا سکتا تھا بالآخر ایک ترکیب ذہن میں آئی جس کے مطابق میں نے عمل کیا۔

دو عورتوں کا مقدمہ محکمۂ مرافعہ میں پیش تھا ایک مدعی علیہ کا نام کرم بخش ہے جو کہ مجھ سے والہانہ عشق رکھتی ہے یا اس وقت سے میری کمند زلف میں اسیر ہے جب کہ میں ولیعہد تھا دوسری عورت علی جان ہے یہ عورت مجھ سے ناراض ہے لیکن جب وہ حاضر ہوگی اصل وجہ معلوم ہوگی غرض کہ ایک روز میں نے حکم نافذ کیا کہ وہ

دونوں حاضر کی جائیں کرم بخش کی ماں امیر بخش کو بلایا اور اس کی رضامندی حاصل کر کے کرم بخش کو اپنے گھر بٹھا لیا بہار السلطان گلزار بیگم صاحبہ کے خطاب سے ایسے ممتاز فرمایا علی جان کو جب بلایا گیا تو اس مکار عورت نے دھائیں دھائیں رو کر زمین و آسمان کو ہلا دیا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے جو تو یوں روتی ہے اس نے عرض کیا میں اس سپاہی پر ابھی تک مرتی ہوں۔ آخر میں نے صبح دربار میں اس سپاہی کو بلایا اور اس عورت کو اس کے حوالے کر دیا وہ دعائے خیر دیتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

۱۰۳

مصاحبوں کو خطابات

اسی زمانہ میں مصاحبان خورد یعنی نچلے درجہ کے مصاحبوں کو بھی میں نے خطابات اور عہدہ ہائے جلیلہ عنایت فرمائے۔

گھسیٹے خان کو مصاحب الدولہ بہادر کے خطاب اور عرض بیگی کی خدمت پر ممتاز فرمایا۔

محمد حسن کو مطیع الدولہ محمد حسن خاں بہادر۔

خواجہ بخش خان برادر قطب الدولہ بہادر کو رضی الدولہ بہادر۔

غلام نبی خاں رضی الدولہ بہادر کے چچا غلام نبی خاں کو تحسین الدولہ غلام نبی خاں بہادر کا خطاب اور کمیدانی اور رسالداری کی خدمات عطا کی گئیں۔

رضی الدولہ کے خالو کو نشاط الدولہ غلام حیدر خان بہادر کا خطاب اور ارباب نشاط کی داروغگی کی خدمت عنایت ہوئی۔

الہیار خاں کو مستقیم الدولہ بہادر کا خطاب اور پیش خانہ سلطانی کی خدمت مرحمت فرمائی گئی۔

نثار علی خاں اور حیدر علی خاں چونکہ خدمت سے محروم تھے۔ اس لئے انہیں کوئی خطاب نہیں ملا۔ لیکن میں ان کی فکر میں تھا۔

۱۰۴

سولہ طوائفیں

اس دوران میں مجھے خفقان ہو گیا۔ محلات و بیگمات کی مفارقت جواب پردے میں بٹھادی گئی تھیں ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ اسی لئے رفع خفقان کے خیال سے ناچنے والی چند عورتوں کو ملازم رکھا ان سب میں بنذی عمدہ والی بہت اچھی تھی یہ عورت زمانہ ولیعہدی میں دیانت الدولہ بہادر کے ذریعہ جہاں نما کے مکان میں آکر ایک دفعہ مجھ سے ملی تھی۔

وہ حسن باندی حسینی والی اور چھیٹن بنی کی بہن تھی اس طرح کل سولہ عورتیں ملازم ہوئیں لیکن صاحبات محل جس طرح اپنے زمانہ بیگمی میں میری دلجوئی اور دلچسپی کا خیال رکھتی تھیں وہ ان سے کہاں ممکن تھا۔

زمانہ ولیعہدی سے میں بنذی سے چونکہ تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس لئے اس کی تفریح کے لئے حضور باغ سواری کے لئے بگھی اور پہننے کے لئے جواہرات سے اسے نوازا گیا۔ اگرچہ مجھے حسن باندی اور چھیٹن سے بھی دلچسپی تھی لیکن بنذی سے ربط واختلاط زیادہ تھا۔ اس پر چھیٹن اور حسن باندی بھی رہنے لگیں۔ جب ان دونوں سے ربط ضبط زیادہ پیدا کیا تو بنذی حسد کی آگ میں جلنے لگی۔

۱۵۷

جب میں نے محسوس کیا کہ یہ تینوں عورتیں آپس کے جلاپے کی وجہ سے مجھے چھوڑ کر چلی جائیں گی تو کافی غور و تامل کے بعد چھپٹی اور حسن باندی کی جانب محبت کا ہاتھ بڑھایا مجھے معلوم تھا کہ وہ سب عورتیں آہوئے رم خوردہ کی طرح تھیں لیکن ان کی دلجوئی اور اطاعت سے میں نے انہیں زیر کر لیا جس کی وجہ سے وہ دونوں عورتیں میرے گھر بیٹھ گئیں ان میں سے ایک معشوق السلطان خسرو بیگم صاحبہ اور دوسری کو ممتاز عالم عاشق السلطان نواب قیصر بیگم صاحبہ کے خطاب سے ملقب کیا اور ہر ایک کو ماہانہ دو ہزار روپے مقرر ہوئے۔

۱۰۵

عمدہ بندی والی

خسرو بیگم اور قیصر بیگم کو گھر بٹھانے سے جب میں فارغ ہوا تو بندی کی طرف سے محبت کے پیام موصول ہونے لگے لیکن اس کا جذبۂ رشک وحد انتہا کو پہونچ گیا تھا غرض کہ مصاحبوں کی سعی و سفارش کے بعد بخوشی میں نے اسکو گھر بٹھا لیا اور وہ مطلوب السلطان حضرت بیگم صاحبہ کے خطاب سے ملقب ہوئی اور دو ہزار پانچسو روپے میری سرکار سے ماہانہ تنخواہ قرار پائی۔

۱۰۶

امراؤ بیگم

اسی زمانہ میں رضی الدولہ بہادر کے ذریعہ ایک زن کسبیہ ماہ رمضان المبارک

میں پسند طبع ہمایوں ہوئی اور اپنی ماں سمیت میرے گھر آکر پڑی حضور السلطان امراؤ بیگم صاحبہ کے خطاب سے ممتاز کیا اور ساتھ ہی دو ہزار روپے ماہانہ مقرر ہوئے حقیقت ہے کہ یہ عورت ناچ گانے میں بے مثل تھی۔

۱۰۷

بادشاہ بیگم

اسی زمانہ میں ایک اور عورت میرے پسند طبع ہوئی اور رضی الدولہ بہادر کے حسن توسط سے آکر میرے گھر بیٹھ گئی۔ محبوب السلطان بادشاہ بیگم صاحبہ کا خطاب عنایت کیا گیا۔

۱۰۸

امتیاز بیگم

امتیاز نامی ایک عورت مجھ پر عاشق ہوئی اور رضی الدولہ بہادر کے توسط سے میرے گھر پڑی اس کو امتیاز بیگم کا خطاب دیا گیا۔

۱۰۹

سرفراز محل کی لاپرواہیاں

سرفراز محل کو محل کا اعزاز دئیے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ان کے باہر آنے جانے کے راستے بند ہو گئے اور پھر میں بھی اب نئی بیگموں کی طرف راغب ہو گیا

اس اثنا میں سن گیا کہ وہ پردے کے معاملے میں کچھ احتیاط نہیں کرتیں۔ چھتر منزل سے دریائے گومتی کا نظارہ کرتی رہتی ہیں نواب خود محل عمدہ محل صاحبہ نے بھی بتایا کہ سرفراز محل پردہ ہوجانے کی وجہ سے روتی دھوتی ہیں۔

جب سرفراز محل کی مجھ سے ملاقات ہوتی تو کہتی تمہاری جدائی میں میرا یہ حال ہوگیا ہے کہ ہمیشہ روتی ہوں یہ سن کر میں دل میں کہتا یا اللہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں پردے میں بٹھانے کے بعد ان کا یہ حال ہے دو ایک مرتبہ تو خود میں نے اپنی آنکھ سے ان کی ناشائستہ حرکتیں ملاحظہ کیں جب ان سے پوچھا تو صاف انکار کردیا اور طرح طرح کی قسمیں کھائیں وہ چاہتی تھیں کہ یا تو میں ان کے پاس ہی رہوں اور یا پھر انہیں بھی باہر جانے کی اجازت دی جائے مختلف طرح سے میں نے انہیں سمجھایا کہ محل میں بیٹھنے کے بعد باہر آنے میں بڑی خرابی ہے لیکن وہ میری بات مانتی ہی نہ تھیں صرف روتی رہتی تھیں کبھی تو کئی کئی روز کے فاقے کرتی تھیں کبھی مجھے محل سے باہر جانے نہ دیتی تھیں اور کہتی تھیں اگر تم مجھے باہر نہ لے جاؤگے تو میں خودکشی کرلوں گی دوسری طرف نواب سلطنت محل صاحبہ نے بھی میرے سر کی قسم کھاکر کہا کہ اگر سرفراز محل کو باہر نکالا تو میں بھی بے دھڑک محل سے باہر نکل آؤں گی اس لئے کہ وہ تو تمہارے پاس رہے اور میں نہ رہوں حقیقت یہ ہے کہ نواب سلطنت محل صاحبہ کی میرے فراق کے صدمہ سے ایسی بری حالت ہوگئی تھی کہ ایک سال چند ماہ کے عرصہ میں کئی برس کی مریض معلوم ہوتی تھیں ان میں اب وہ چستی تھی نہ وہ چالاکی نہ وہ رعنائی شباب تھی نہ وہ زیبائش جمال میں اکثر ان کا حال دریافت کرتا لیکن ان کی زبان پر جیسے تالا لگ گیا تھا کچھ نہیں کہتی تھیں۔ البتہ میری مفارقت کے تاثرات ان کی صورت سے عیاں تھے بہر حال مختلف بہانوں اور عذر و حیلہ سے انہیں باہر آنے کے خیال سے دور رکھا۔

١١٠

ماہ رُخ کی رحلت

یہ خبر وحشت ناک میرے گوش گزار ہوئی کہ ماہ رخ ننھی بیگم کا انتقال ہوگیا اس خبر سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا میں نے اس صدمہ جانکاہ اور دلی رنج سے بیتاب ہوکر اپنے کو بستر غم پر گرادیا اور آہیں بھرنے لگا لیکن صبر کے سوائے کوئی صورت بھی نہ تھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

١١١

زین النساء کا سانحہ ارتحال

ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ شہزادی جہاں آرا بیگم صاحبہ کی والدہ زین النساء خانم صاحبہ کے انتقال پرملال کی خبر ملی اس وقت شہزادی جہاں آرا بیگم صاحبہ صرف چھ ماہ کی تھیں۔ مرحومہ کو تپ دق کا عارضہ ہوگیا تھا۔ مجھے بڑا رنج ہوا اور اس شیر خوار لڑکی کو میں نے اپنی والدہ ماجدہ صاحبہ یعنی اس کی دادی کے سپرد کیا۔ ماشاراللہ اب تک وہ اپنی دادی کے سایہ عاطفت میں پرورش پا رہی ہے۔ خدا اس کی عمر دراز کرے۔

❁

۱۱۲

بادشاہ باغ اور سرفراز محل

ایک روز ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی مطربان خوش نوا نغمہ سرائی کر رہے تھے اس وقت یکایک مجھے بادشاہ باغ جانے کا خیال دامنگیر ہوا۔ بیتاب ہو کر میں نے سب محلوں کو سوار ہونے کا حکم سنایا لیکن نواب سرفراز محل کو جانے سے منع کر دیا۔ صاحبان محل وزراء امراء اور دیگر اشخاص بادشاہ باغ تک ہمرکاب ہو کر گئے اور چند روز وہاں قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ اسی رات نواب سرفراز محل میرے فراق میں انگوٹھی سے ہیرے کا نگ نکال کر کھا گئیں۔ اس خبر سے میں بے چین و مضطرب ہو کر گر پڑا اور بشیر الدولہ بہادر کو بلا کر کہا آہ اب میرا دل اس قدر ناتوان ہو گیا ہے کہ ایسی وحشت ناک خبر سننے کا متحمل ہی نہیں۔ تمام لوگ مجھے صبر کی تلقین کرتے تھے کبھی والدہ صاحبہ کے پاس جا کر گریہ وزاری کرتا تھا۔ بادشاہ باغ سے چھتر منزل تک چپراسیوں کی ڈاک متعین کر دی تھی کہ پل پل کی خبر سے مجھے آگاہی ہوتی رہے وہ تمام حلبہ عیش و مسرت صحرائی ذروں اور خزاں زدہ پتوں کی طرح منتشر ہو گیا۔ آخر کار اسی رات بہ عجلت ممکنہ بادشاہ باغ سے روانہ ہو کر بادشاہ منزل پہنچا شکر ہے کہ کوئی نامسعود واقعہ نہیں ہوا۔ خدا کے فضل سے سرفراز محل کو شفا ہوئی۔

وہ مجھے ہر روز اپنے ساتھ رکھنے کو مجبور کرتی تھیں اس اثنا میں قاصد فرخندہ فال نے نواب سرفراز محل صاحبہ کے حمل قرار پانے کی خبر سنائی۔ میں بے حد خوش ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا اور ان سے پہلے سے زیادہ عشق ہو گیا۔

اس روز کے بعد سے میں روزانہ ان کو ساتھ لے کر سواری میں سیر کو نکلتا تھا شاید خدا کی مرضی نہ تھی صرف پانچ ماہ بعد معلوم ہوا کہ نواب سرفراز محل صاحبہ کا حمل گر گیا ہے میں نے بہت افسوس کیا اور ان کی صحت یابی کے لئے دعا کی آخر میری دعا قبول ہوئی انہوں نے بفضل خدا غسل صحت کر کے مجھ سے ملاقات کی۔ لیکن ہر روز نواب سلطنت محل صاحبہ اور نواب سرفراز محل صاحبہ باہر آنے پر اصرار کرتی تھیں اور پہلے کی طرح کی پریشان کن خبریں مسلسل میرے گوش گزار ہوتی تھیں۔ لہٰذا میں نے اپنے دل سے کہا اے نادان جس بات کے لئے تو نے ان کا پردہ کر دیا تھا جب وہ ہی بات پوری نہ ہو رہی ہو تو پھر اب محل میں بٹھا کر کیا کرے گا چنانچہ ایک روز میں نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا اور سمجھایا کہ خدا نے تم لوگوں کو یہ عزت بخشی کہ محل کے مرتبہ تک پہنچی ہو اور اب باہر جلسہ میں قیصر بیگم اور خسرو بیگم کے ساتھ جانا چاہتی ہو وہ سب عورتیں میری محبت کے تیر کی گھائل ہیں جس وقت تم بھی وہاں جاؤ گی اور سب ایک جگہ ہوں گی تو آتش رشک سلگ اٹھے گی ایسی صورت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔

لیکن میری اس تقریر کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ کہنے لگیں کہ ہمیں سب کچھ گوارا ہے اگر باہر عورتیں جمع ہیں تو کیا حرج ہے اس لئے کہ ہمارے مقابلہ میں دوسری معشوقائیں آپ کی منظور نظر نہیں ہو سکتیں۔

ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نواب سلطنت محل صاحبہ صرف یہ دیکھنے کیلئے باہر آنا چاہتی تھیں کہ باہر اس جمگھٹے میں میں نئی عورتوں پر متوجہ رہتا ہوں یا پرانی عورتوں پر۔

میں دونوں کی خواہش کے مطابق ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا اور وہ اس نئے جلسے میں شامل ہوئیں اس طرح وہ محل کے رتبہ سے ذلت کے گڑھے میں آ گریں۔ افسوس حیا چاک کر دیئے شرم کی نقاب الٹ دی اور زنان بازاری کے ساتھ آ کر مل گئیں لیکن میں نے یہ سب کچھ محض ان لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے کے خیال سے کیا

ورنہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ انہیں پردے میں بٹھانے کے بعد پھر باہر لا بٹھاتا۔

جب یہ دونوں باہر آ کر جلسہ میں شریک ہوئیں تو کچھ ناز و اغماض سے کام لینا شروع کیا جیسا کہ وہ پردے میں بیٹھنے سے قبل کرتی تھیں لیکن ان کا چراغ جلنا مشکل تھا اس لئے کہ یہاں تو بڑا بڑا عیار موجود تھا۔ بھلا نواب سرفراز محل صاحبہ انکے مقام کو کہاں پہنچ سکتی تھیں۔ وہ تو بے وفائی کرنے پر تلی ہوئی تھیں لیکن وہ وفاداری کے تمام معزز خلعت سے ممتاز تھیں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان لوگوں میں اب لڑائی جھگڑے کا آغاز ہو گیا اور قیصر بیگم خسرو بیگم اور دوسری بیگموں کے غم و غصہ کی آگ تیز ہو گئی اس طرف سات آٹھ بیگمات تھیں اور اس طرف صرف دو تھیں لہٰذا مقابلہ برابر کا نہ رہا البتہ نواب سلطنت محل صاحبہ نے باہر آنے کے بعد بھی اپنی وفاداری و محبت کا ثبوت دیا لیکن ان کی محبت میں پہلے کی طرح کشش نہ رہی اور میں محسوس کرنے لگا کہ ان میں اور مجھ میں ہزاروں میل کی دوری حائل ہو گئی ہے آخرکار ان دونوں کو اسی حالت میں رہنے دیا اور ان کے اچھے برے کام پر کبھی کوئی اعتراض نہ کیا۔

نواب سرفراز محل صاحبہ کی حد کو پہنچی ہوئی بے وفائی دیکھ کر ایک روز میں نے کہدیا کہ اب میرا تمہارا نباہ ممکن نہیں اس لئے کہ تمہاری بے پرواہیوں سے مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے مناسب یہی ہے کہ تم اپنی ناشائستہ حرکتوں سے باز آؤ یہ سنکر وہ رونے لگی۔ اس کے سوائے کوئی جواب ہی نہ تھا لیکن اسی صدمہ سے میرا کھانا پینا حرام تھا نتیجہ کے طور پر ایک روز انہیں ان کی ماں کے گھر بھیجدیا اور اپنے دل میں کہا اب اس بے وفا سے ہرگز نہ مل۔ لیکن دو چار دن گئے میں پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا جو عورت ایک پہر بھی میری نظروں سے اوجھل نہ رہتی تھی اب اس کا دیدار بالکل ہی نصیب نہ تھا آخر اپنے نازیبا عمل پر شرمندہ ہوا اور قطب الدولہ

کی معرفت اسے پھر سے اپنے گھر بلانے کی کوشش کی

اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اب میں کسی قیمت پر بھی آنے کو تیار نہیں ہوں اس لئے کہ میری زبردست توہین ہوئی ہے اب میں عتبات عالیات کی زیارت کو جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

یہ جواب سن کر میں بے چین ہو گیا اور کہا قطب الدولہ بہادر جس طرح بن پڑے تم اسے حاضر کرو میرا یہ حکم سن کر غریب قطب الدولہ بہادر دوبارہ اس کے گھر گئے اور مختلف باتیں بنا کر اسے میرے گھر لے آئے لیکن میں نے اسی روز سے ترک ملاقات کا بھی فیصلہ کیا۔ اور کبھی اس سے آنکھ ملا کر بات بھی نہ کی کبھی کبھار بات چیت کا بھی موقع آتا تو طعن و طنز کے علاوہ سیدھی بات نہ کی۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ اس نے بھی کچھ ایسا ہی رویہ اختیار کیا۔

۱۱۲

مرزا سلطان قدر کی پیدائش

اسی زمانہ میں نواب محل صاحبہ کے بطن سے فرزند دلبند کے پیدا ہونے کی خبر مسرت افزا میرے گوش گزار ہوئی میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور سلامی کی گیارہ ضرب توپ سر کرائی اور مجھے اس سے بڑی خوشی حاصل ہوئی لیکن اس لڑکے کی تقدیر بری تھی اس لئے کہ اس نے صرف ایک سال کی عمر میں عالم جاودانی کی راہ لی۔ میں اس زمانہ میں بیمار تھا۔ خبر سن کر کرنل رچمنڈ صاحب مع ریزیڈنٹ صاحب پرسے کی رسم ادا کرنے کے لئے لکھنؤ آئے اور از راہ دوستی و اتحاد تعلی تسلی و دلاسا دیا میں تو اپنی بیماری کے باعث افسردہ تھا اب سلطان قدر کے انتقال کے غم

نے الگ آگھیرا۔ مجھے رات رات اور دن دن نہ معلوم ہوتا تھا۔

۱۱۴

شاہزادیوں کی نسبتیں

ایک روز میں بہت اداس تھا لہٰذا اس کیفیت کو مٹانے کے لئے میں نے سوچا کہ لڑکیوں کے کار خیر سے فراغت پانا چاہیئے خدا جانے کل کو کیا واقعات رونما ہونیوالے ہیں چنانچہ حضرت والدہ صاحبہ کی رائے سے ہر ایک کی نسبت کا پیغام بھیجا۔

نواب محسن الدولہ بہادر نے اپنے بھویا کے فرزند مرزا عالی قدر طال اللہ عمرہٗ سے نواب عزت محل صاحبہ کی دختر مہر آرا صغرا بیگم کی نسبت مقرر کی اب خدا کے فضل سے اس کی عمر پانچ برس کی ہے۔

مرزا ابو القاسم خان نے اپنے ماموں زاد بھائی سے سپہر آرا بیگم صاحبہ کی نسبت ٹھہرائی سپہر آرا بیگم صاحبہ نواب سلیمان محل کے بطن سے ہیں۔

رکن الدولہ بہادر خلف سعادت علی خاں مرحوم کے نواسے کی نسبت جہاں آرا بیگم صاحبہ سے قرار دی گئی۔ جہاں آرا بیگم کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے اسلئے اسکی پرورش اس کی دادی جناب عالیہ کر رہی ہیں۔

مرزا فلک قدر بہادر کی نسبت اپنی بہن کی بیٹی سے قرار دی۔

یہ ساری نسبتیں شاہ منزل کے مکان میں جو دریا کے کنارے واقع ہے قرار پائیں اس کار خیر سے فارغ ہو کر میں بارگاہِ رب العزت میں شکر بجا لایا اس روز سے گانے بجانے کی محفلیں مشاعرے اور جلسے میں نے اس اہتمام سے منعقد کروائے کہ ان مجالس میں شریک ہونے والوں نے کئی سال تک اس کا لطف محسوس کیا۔

115

تین محلات کا امید سے ہونا

ایک وقت سنا گیا کہ نواب نشاط محل ننھی بیگم صاحبہ نواب سکندر محل صاحبہ اور نئے جلسہ والی امراؤ بیگم کو حمل قرار پائے ہیں لیکن بعد میں یہ بات غلط نکلی محض شبہ کی بنا پر ایسا سمجھا گیا تھا اسی دوران میں میرے حکم سے نواب خورشید محل صاحبہ نواب امیر محل صاحبہ اور عجائب خانم صاحبہ اندرون محل سے میرے ساتھ باہر مرزانے میں آگئیں لیکن شرم و حجاب کو دور کرنے کے بعد خدا جانے کیا دل میں آئی کہ دوبارہ پردہ میں جا بیٹھیں توبہ توبہ اگر پردے میں جا بیٹھنا ہی تھا تو باہر نہ آنا چاہئیے تھا اگر باہر آگئیں تو پھر پردے میں جا کر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عصمت و عفت کو بازیچہ اطفال سمجھ رکھا تھا۔

ایک روز لڑائی جھگڑے کے سلسلہ میں حضرت بیگم اور نواب سلطنت محل صاحبہ نے اپنے آدمی نالش کرنے کو بڑے صاحب کی کوٹھی پر بھیجے لیکن وہ عین راستہ میں گرفتار کر لئے گئے یہ کتنی نامعقول حرکت تھی کہ ایک غیر جگہ نالش ہو۔ سبحان اللہ دنیا کی عجیب حالت ہے۔

انہیں دنوں میں معشوقہ خاص نے میری انگوٹھی کا گل کھانے کی خواہش کی جب میں نے یہ بات منظور کر لی تو انجان ہو گئیں اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ در اصل انہوں نے دنیا داری سے کام لیا تھا۔ سلطنت کے زمانہ میں کئی ایک آدمیوں کی انہوں نے سفارش کی تھی ایک روز ایک عورت کو نذر دینے کے لئے بھی پیش کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ بدصورت تھی اس لئے میں نے اسے ناپسند کیا۔

ان بیگمات و محلات کی بے وفائیوں کے اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں اور میرے اس درجہ اقتدار دولت و ثروت اور صورت وسیرت اور متعدد خوبیوں کے باوجود ان لوگوں نے ایسا سلوک کیا حالانکہ میری تعریف سے کئی کتابیں پُر ہیں۔

اسی دوران میں میں نے رعایا کی داد خواہی کے لئے لکڑی پر چاندی کے صندوق نصب کروا کر اپنے سواروں کو دے رکھے تھے کہ جو شخص بھی اپنی درخواستیں درعرضداشتیں ان میں ڈالے وہ سب جمع کرے ہر روز میرے ملاحظہ میں پیش کی جائیں انہیں میں ایک بند لفافہ دستیاب ہوا جب اسے کھولا گیا تو نواب امراؤ صاحب اور دوسرے محلات کے متعلق عجیب عجیب واقعات تحریر تھے چونکہ ہر روز میرا غم تازہ ہو جاتا تھا اس لئے تنا ہی مشغلہ میں عرضداشتیں وصول کرنے کا سلسلہ موقوف کر دیا۔

۱۱۶

سکندر محل سے عقد

عزا عالم الغیب ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نواب سکندر محل صاحبہ بڑی بے مثال عورت تھیں ایسی نیک عورتیں میں نے بہت کم دیکھی ہیں۔

ایک روز انہوں نے بڑے پیار سے عرض کی کہ جان عالم بفضل خدا کی عنایت سے میری تمام آرزوئیں پوری ہو گئیں۔ اب صرف تم سے نکاح کرنے کی شدید آرزو رہ گئی ہے میں گریبان میں منہ ڈال کر بیٹھ گیا اور کہا کہ کیا میں اب اس قابل ہوں کہ نکاح کر دل محل کی تمام بیگمات اور بازاری لوگ کیا میرا مذاق نہ اڑائیں گے اور کہیں گے کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ مرحوم کی طرح میں بھی پاگل ہو رہا ہوں لیکن وہ بضد تھیں میری بات ماننے کو تیار نہ تھیں میں نے مجبور ہو کر یہ واقعہ جناب والدہ صاحبہ کی خدمت

میں عرض کیا موصوفہ نے ارشاد کیا کہ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔
بالآخر نواب سکندر محل صاحبہ کو ایک کمرے میں بٹھا کر نکاح پڑھوایا انہوں نے جشن شادی کی تیاری اور آراستگی کا معقول انتظام کیا خوش آواز گانے والے گا رہے تھے معشوقانِ سیم بر ناچ رہی تھیں، صرف یہی نہیں انہوں نے چوتھی کی تقریب کا بھی کافی اہتمام اپنے حسب منشا کیا تھا۔

۱۱۷

محبوبہ عالم اور دارا بیگم

ایک عورت مغل نامی اسی زمانے میں میرے ہاں ناچنے والیوں میں آ کر نوکر ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس سے مجھے غیر معمولی عشق ہو گیا انتہا یہ کہ میں دیوانے کی طرح اس کے اطراف رہتا تھا وہ چونکہ ابھی نوجوان تھی اور سرد و گرم زمانہ کا اس پر ابھی کچھ اثر نہ ہوا تھا اس لئے وہ بھی میرے کمند عشق میں گرفتار ہو کر میرے گھر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے محبوبہ عالم نواب مغل صاحبہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ میری سرکار سے میوہ خوری کے لئے ماہانہ دو ہزار روپے مقرر ہوئے۔

چند ہی روز بعد ایک کسبی عورت بھی میرے گھر بیٹھ گئی اور دارا بیگم صاحبہ کا خطاب پایا لیکن قیصر بیگم اور خسرو بیگم کے اختلاف اور رشک و حسد کی بنا پر نکال دی گئی۔

❊

۱۱۸

دولت خانۂ قدیم میں اجتماع

پھر ایک بار میرا دل پری خانہ کی ترتیب اور اس کی از سر نو تنظیم کا خواہشمند ہوا پری خانہ کا وہ پرانا حلقہ برباد ہو چکا تھا چنانچہ قدیم خواصوں کو دولت خانۂ آصفی اور پنج محلہ میں بلا یا، چند کو آزاد کیا اور چند ایک کا نکاح کر دیا بعض کو کربلائے معلّٰے جانے کی تمنا تھی میں نے اجازت دیدی۔ ان میں سے دس پندرہ عورتیں جو نہایت خوبصورت اور کم عمر تھیں منتخب کر کے میں نے رکھ چھوڑیں اور انہیں رقص و سرود کی تعلیم میں مصروف کر دیا۔ وہ حسب ذیل عورتیں تھیں۔

پسند السلطان عالیہ بیگم جو اس سے قبل مرزا نصیر الدین حیدر کی لونڈی تھی اور میں اسے پسند کر کے لایا تھا اور سرفراز کر کے میں نے دوبارہ موتی محل بھیج دیا تھا لیکن اس کے رونے دھونے سے پھر واپس بلا لیا تھا۔

حضرت والد ماجد حضرت جنت مکان کی تین لونڈیاں۔ نیاز السلطان نازنین بیگم عشرت پری اور گوہر پری اور بادشاہ بیگم کی خواصوں کے منجملہ ایک گلزار السلطان عباسی بیگم دوسری نصاحب پری، تیسری صاحب پری۔

ایک خواص میرے دادا حضرت قدوس منزل کی تھیں جس کا فرخ بیگم خطاب تھا۔ ایک عورت جو دارا بیگم خجستہ عالم نواب ہمایوں بیگم صاحبہ کے خطاب سے مخاطب تھیں یہی ایک ایسی تھیں جو سب سے زیادہ عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں لیکن میں ان کی توقیر اپنے دل سے نہیں ملکہ قیصر بیگم اور خسرو بیگم اور دیگر بیگمات کی آتش رشک کو بھڑکانے کے لئے کرتا تھا۔

میرے دادا کی ایک خواص بھی تھی جس کا خطاب مرغوب السلطان عظیمہ بیگم صاحبہ تھا لیکن یہ دق میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئی۔

شاہ بخش اور الطاف بخش جو میرے زمانہ ولیعہدی کی یادگار ہیں ان میں سے ایک کو مطبوع السلطان شاہ بیگم اور دوسری کو عنایت السلطان الطاف بیگم کے خطاب سے سرفراز کیا گیا دونوں بیگموں اور پریوں کے زمرے میں شامل ہوئیں اور ناچ گانے کی تعلیم بھی حاصل کی۔

ان کی ماہانہ تنخواہ کسی کو ہزار روپے کسی کو ڈیڑھ ہزار اور کسی کو پانچ سو روپے مقرر کی گئی۔

انہیں میں ایک مرزا نصیر الدین حیدر کی والدہ مرحومہ نواب بادشاہ بیگم کی خواصوں میں سے پارو نام کی تھی۔ میرے پاس ارغوان پری کے خطاب سے سرفراز ہوئی۔

شوکت بخش اور نزہت بخش میری خواصوں میں شامل ہوئیں۔ ہر ایک کی تعلیم موسیقی کے لئے گانے بجانے والے سات سات استاد ملازم رکھے گئے۔

ذرا غور کرنا چاہئے کہ فن موسیقی کے جس قدر ماہرین میری سرکار میں ملازم رہے وہ تمام کے تمام سارے شہر میں شہرت تامہ رکھتے تھے۔ دن رات حصول فن میں مشغول رہتے تھے۔

اس فن کی تعلیم پر جن عورتوں کو لگایا گیا تھا۔ وہ پہلے سے تربیت یافتہ نہیں تھیں لیکن تعلیم کے بعد بعض نے تھوڑا بہت علم حاصل کیا بعض ماہر فن ہو گئیں اور بعض تو موسیقی کی الف ب سے بھی واقف نہ ہو سکیں۔

ان میں مصاحب پری کو میں نے خود اپنا شاگرد بنا لیا تھا حقیقت میں ان کی تعلیم موسیقی میں میں نے اسی قدر سعی و جانفشانی سے کام لیا کہ چند ہی روز میں

وہ اور عورتوں کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہو گئی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حلبسہ جذبۂ عشق و ہوس کی تسکین کے لئے ترتیب نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ایک معمولی سی دلچسپی اور ان عورتوں کی پرورش کرنا منظور تھا

۱۱۹

بیگمات کا سلوک ناروا

اگرچہ قیصر بیگم اور خسرو بیگم ایک ساتھ بیگم کے درجہ کو پہنچی تھیں۔ لیکن میری زیادہ توجہ قیصر بیگم پر تھی۔ رات دن میں پاگلوں کی طرح اس کے اطراف پھرتا تھا جس جگہ وہ سوتی تھی میں بھی وہیں استراحت فرماتا تھا وہ کھانا جہاں کھاتی میں بھی وہیں کھاتا۔ قیصر بیگم سے میری اس والہانہ محبت کو دیکھ کر خسرو بیگم اور حضرت بیگم بہت جلتی تھیں لیکن میں کسی کی کچھ پروانہ کرتا۔ اسی طرح رسم محبت کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہتا تھا اس طرح قیصر بیگم کا ستارۂ اقبال منزل فلک چہارم پر ایک سال تک چمکتا رہا میں نے ان کو ہزاروں روپے نقدی کے کاغذ دیئے نیز رہنے کے لئے جلال الدولہ مرحوم کا مکان بھی ان کی نذر کیا۔ عزت و توقیر کے جملہ لوازم سے انہیں سرفراز کیا گیا۔ اس طرح آئے دن ان کی محبت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ انہیں بیگم سے مجھے سوزاک کا مرض لاحق ہوا جب تک یہ مرض خفیف سا تھا میں ان کی اطاعت پر ہر وقت کمربستہ رہتا تھا لیکن ان کی عادات و خصائل معشوقہ خاص سے ملتی جلتی تھیں اوصاف میں خسرو بیگم صاحبہ کی ہم خصلت تھیں وہ کبھی ہنستی تھیں تو کبھی روتی تھیں کبھی بے اعتنائی سے کام لیتیں کبھی بے وفائی پر آمادہ ہو جاتیں۔

حضرت بیگم نے جو پہلے سے مجھ پر جان دیتی تھیں اس قسم کی حرکتیں دیکھیں تو ایک روز مجھ سے کہنے لگیں اب میں تمہارے گھر میں ہرگز نہیں رہ سکتی۔ میں نے بہتیرا سمجھایا بہت کچھ اطمینان دلایا لیکن وہ اپنی بات پر اڑی رہیں اور سواری منگوا کر اپنے مکان کی راہ لی۔ میں غم کھانے اور عالم حسرت و یاس میں آہیں بھرنے کے علاوہ کچھ اور نہ کر سکا۔

نشاط الدولہ غلام حیدر خاں داروغہ ارباب نشاط سے میں نے تاکید کی کہ دور دور سے حضرت بیگم کی خبر رکھی جائے۔ اس نے میری حکم کے مطابق عمل کیا۔ جب حضرت بیگم اپنے گھر چلی گئیں تو میرا دل ان کی طرف سے پھر گیا اور ان کی ماں کے لئے بھی ایک مصیبت تھی اس لئے کہ میرے خاطر و لحاظ کے لئے ان کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ چند ماہ گزرنے کے بعد میں نے دیانت الدولہ بہادر کے ذریعہ انہیں مجبور کر کے اپنے گھر بلوایا۔ میں چونکہ حضرت بیگم کا عاشق تھا اس لئے انہیں چھوڑنے کو جی نہ چاہا ورنہ انکی طرح کی بیشمار عورتیں موجود تھیں انہیں بلوا کر چند روز تک گانے والیوں کی زمرے میں شامل رکھا لیکن چونکہ ان کا دل میری طرف سے صاف نہیں تھا اس لئے میں بھی ان سے مکدر ہو گیا۔ پھر قیصر بیگم کی شکایت پر چند روز بعد حضرت بیگم صاحبہ کا قصور معاف فرمایا اور ان کو زنانہ عالی تک پہنچایا۔

اسی زمانہ میں مجھے لارڈ صاحب کی ملاقات کے لئے کانپور کا نہیں سفر کرنا پڑا تھا تمام محلات روزانہ میری مزاج پرسی کردایا کرتی تھیں لیکن نئی بیگمات میں سے ایک بھی میری پرسان حال نہ ہوئی ان کی طرف سے دل پھر جانے کا ایک یہ بھی سبب تھا دوسرا سبب یہ کہ باوجود میری اطاعت اور دلجوئی کے قیصر بیگم صاحبہ نے اپنی ماں کو بلا کر رکھا میں نے ان کی اس خواہش کی تکمیل محض ان کی خوشنودی کے لئے کی تھی۔ لیکن ان کو میری اتنی خاطر داری کافی نہ ہوئی۔ اسی طرح کا سلوک حضرت بیگم صاحبہ بھی

کرتی تھیں۔

ایک روز سرِ شام محبوبۂ عالم اور حضرت بیگم کے ساتھ میں بگھی میں بیٹھا حضرت باغ کی سیر کر رہا تھا اور اس وقت حضرت بیگم میرے آغوش میں تھیں اور ان سے میں پیار و محبت کی باتیں کر رہا تھا یہ منظر محبوبۂ عالم کو سخت گراں گزرا اور وہ مضطرب ہو کر بگھی کے نیچے گر گئیں اگر اس روز خدا کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو انکی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔

۱۲۰

زہرہ بیگم سے عشق

ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے اور میں تمام عورتوں کو آزمانے کی جستجو میں لگا ہوا تھا اور مختلف تدابیر اختیار کر رہا تھا کہ کسی ذریعہ سے بھی قیصر بیگم خسرو بیگم اور دوسری بیگموں کی محبت و نفرت کے حالات کا انکشاف ہو۔ اگرچہ میں حضرت بیگم کے واقعات سے باخبر ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ انجان بنا رہتا تھا۔

ایک روز میں نے محض مذاق میں کہا کہ تم لوگ اگر اپنے اپنے گھر چلی جاؤ تو میرے سر سے ایک بھاری بوجھ اتر جائے گا۔ یہ کلمات سنتے ہی حضرت بیگم اور دوسری عورتیں چلی جانے پر راضی ہو گئیں البتہ امراؤ بیگم جانا نہ چاہتی تھیں اس لئے کہ اس وقت وہ حاملہ تھیں میں نے فی الفور سواریوں کا انتظام کروا دیا تمام مصاحبوں وغیرہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے کسی کی بات نہ مانی اور تمام بیگمات جن میں محبوبۂ عالم بھی تھیں جنھوں نے میری محبت میں بگھی کے نیچے آ کر خودکشی کی کوشش کی تھی اور جن کیلئے میں نے پچاس روپے تصدق کے لئے میں مطیع الدولہ بہادر کے ذریعہ بھیجے تھے چلی گئیں اور جاتے وقت اقرار کیا تھا کہ تمہاری خیر و عافیت معلوم کرنے کے لئے ہم اپنی کہاریاں

اور ملازموں کو بھیجا کریں گے مختصر یہ کہ مطیع الدولہ بہادر اور مصاحب الدولہ بہادر
کے ساتھ کل بیگمات اپنے گھروں کو روانہ ہوئیں اور مجھ سے اقرار کرایا کہ ہمارے
جانے کے بعد ہماری مزاحمت کے لئے تمہارا کوئی کارندہ ہمارے گھر نہ آئے گا میں نے
ان کی یہ بات منظور کر لی۔

میں سمجھتا تھا کہ فی الواقع قیصر بیگم مجھ پر جان دیتی ہے اس لئے کہ اس زمانہ
میں اس نے طریقہ ہی کچھ ایسا اختیار کر رکھا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ دھوکا تھا ان لوگوں
نے اپنے اپنے گھر جا کر جھوٹے منہ بھی مجھے نہ پوچھا۔ لیکن جب حضرت بیگم نے دیکھا
کہ فائدہ اٹھانے کا یہ بہترین موقع ہے ٹھیک روز صبح سویرے وہ اور ان کے
ساتھ گلزار بیگم اور بادشاہ بیگم روتی دھوتی رضی الدولہ کے گھر پہنچیں اور مجھ سے لپٹ کر
خوب روئیں اور کہنے لگیں اب خواہ تم ہمارا سر ہی قلم کر دو ہم تو تمہارا گھر چھوڑ کر نہ
جائیں گے میں نے انہیں گلے سے لگا لیا لیکن مجھے اس کا ملال ضرور تھا کہ یہ اس سے
قبل بھی اسی طرح اپنے گھر جا کر واپس آ گئی تھیں۔ اب پھر اسی فعل کا اعادہ کیا
ہے لہذا ان کے رونے کا مجھے زیادہ بھروسہ نہ تھا۔

قیصر بیگم کے متعلق میرے خیالات متزلزل ہو گئے، اگرچہ وہ اسی روز شام
سے قریب آ گئی، لیکن میں نے ان پر کوئی خاص توجہ نہ کی۔ میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا
کہ وہ قیصر بیگم جو ہر روز میرے ساتھ کھانا کھاتی تھی وہ اپنے گھر میں ایک پل بھی
نہیں رہ سکتی، لیکن میرا یہ خیال بالکل غلط تھا۔

خسرو بیگم کے متعلق مطیع الدولہ بہادر نے بتایا کہ خدا جانے انکی دادی کا پیام
پہلے ہی سے ان کے پاس آیا ہوا تھا یا خود خسرو بیگم نے انہیں اپنے آنے کی اطلاع
دے رکھی تھی، حالات تو بتاتے ہیں کہ خسرو بیگم ہی نے اپنی آنے کی خوشخبری کسی
آدمی کے ذریعہ بھیجی تھی، چنانچہ ان کی دادی روانگی کے دو چار گھنٹے پہلے ہی سے

دردولت پر منتظر کھڑی تھی۔ جب خسرو بیگم سوار ہوگئیں تو فرطِ خوشی سے میں راستہ بھر فقیروں اور شہدوں کو کوڑیاں لٹاتا رہا۔ گھر جا کر جناب مشکلکشا کا دسترخوان کیا اور جناب عباس علیہ السلام کی نیاز کی اور اسی قسم کے چند اور رسوم خسرو بیگم کے گھر آنے کی خوشی میں ادا کئے گئے اور خسرو بیگم خود پھول طرح کھل گئی تھیں کبھی کسی کے گلہ سے چمٹ جاتی تھیں کبھی بے ساختہ ہنستی تھیں۔

محبوبہ عالم کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر جا کر خوش نہ ہوئیں خدا بہتر جانتا ہے اسی قسم کی بات امتیاز بیگم کے متعلق بھی معلوم ہوئی۔

مجھے اس بات کا بے حد ملال ہے کہ ان سات آٹھ بیگمات میں سے ایک نے بھی میرا ہاتھ پکڑ کر یہ نہ کہا کہ میں تمہیں چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس روز سے تمام بیگمات کی طرف سے میرا دل بھر گیا اور میں نے کان پکڑے کہ آئندہ کسی کی محبت کا دم نہ بھروں گا۔ عورتوں سے میں اس قدر بیزار ہو گیا تھا کہ اگر کوئی عورت مر جاتی تو میں یہی کہتا کہ شاید قبر میں بھی کوئی فریب کرنے گئی ہو گی جب تک اس مرنے والی عورت کا چہلم نہ ہو جاتا۔ مجھے اس کے مرنے یقین نہ آتا۔

مختصر یہ کہ یہ سب بیگمات دوبارہ میرے گھر آئیں لیکن اصولاً جنہیں پہلے آنا چاہیئے تھا وہ بعد میں آئیں اور جنہیں بعد میں آنا چاہئے تھا وہ پہلے آ گئیں حضرت بیگم گلزار بیگم اور بادشاہ بیگم سب سے پہلے آئیں حالانکہ قیصر بیگم خسرو بیگم امتیاز بیگم اور محبوبہ عالم کو ان سے پہلے آنا چاہئے تھا۔

اگرچہ حضرت بیگم نے عیاری سے کام لیا تھا یعنی وہ قیصر بیگم اور خسرو بیگم سے پہلے آئیں اس لئے میں نے ان سے تھوڑی سی محبت کا اظہار کیا۔ اور باقی کو ظاہرداری کے تحت اور قیصر بیگم کو جلانے کے خیال سے اپنے پہلو میں جگہ دی جس وقت قیصر بیگم خسرو بیگم اور محبوبہ عالم آئی تھیں میں ان کی طرف

ملتفت نہ ہوا یہاں تک کہ ان کو گلے سے بھی نہ لگایا خاموش بیٹھا رہا خاموش بیٹھنے کا مطلب یہ تھا کہ دیکھوں حضرت بیگم بادشاہ بیگم اور گلزار بیگم کے یہ کہنے کے بعد کہ اب ہم تمہارے گھر سے جانا نہیں چاہتے یہ سن کر یہ کیا کہتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ خسرو بیگم دوبارہ اپنے گھر جانے کی اجازت چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں کسی کے گھر نہیں پڑوں گی البتہ طوائفوں کے زمرے میں ملازم ہو سکتی ہوں اسی طرح محبوبۂ عالم نے بھی کہا۔ کمال یہ ہے کہ وہ گلزار بیگم جس نے دوبارہ میرے گھر آنے میں پہل کی تھی۔ وہ بھی خسرو بیگم اور محبوبہ عالم کی ہم خیال تھی۔ البتہ حضرت بیگم اپنے وعدے پر قائم رہی۔

میں نے خود ان تینوں بیگمات کی زبان سے ان کی گفتگو سنی تھی اس لئے مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور دل سے کہا اے نالائق جو واقعات پیش آئے ہیں دراصل تو اس کا مستحق تھا غرض ان کی بے وفائی اور کج ادائی سے زمین اور آسمان میری نظر میں تاریک ہو گئے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا دل پکڑ کے کہا کہ اچھی بات ہے تمہاری جو مرضی سو وہی کرو لیکن جب محسوس کیا کہ اب امتحان کی کسوٹی میرے ہاتھ میں ہے اور ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دینا دانش مندی کے خلاف ہے ویسے میں نے اجازت تو دے دی۔ لیکن چپکے سے مصاحبوں سے کہہ دیا کہ تم انہیں سمجھا کر دیکھو اگر کوئی عورت فقیر کے گھر پڑے یا سپاہی کے گھر وہ بھی گھر پڑنے کے بعد گھر سے باہر نہیں جاتی تم تو خیر ایک بادشاہ کے گھر پڑی ہو۔

اس طرح جب انہوں نے دیکھا کہ اب اطاعت کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے تو اپنا قصور معاف کرانے کے لئے میرے قدموں میں گر گئیں چونکہ میں دوبارہ ان سے محبت کرنا بھی چاہتا تھا اس لئے راضی ہو گیا اور ان کا قصور معاف کیا

میری خواہش تھی کہ قیصر بیگم کو معشوقۂ خاص کی مد مقابل بناؤں اور انکو ایسا مرتبہ بخشوں کہ تمام بیگمات اور محلات اور محبوباؤں کے مقابلہ یہ سبقت لے جائیں چنانچہ میں نے محفل کی شرکت اور محلات کے جلسہ میں شرکت سے بھی منع کر دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ خود یہ اپنے دل سے ان باتوں کی پابندی کریں لیکن انہوں نے اس کا کوئی لحاظ نہ رکھا کبھی کسی محل سے ربط وضبط بڑھاتیں کبھی کسی سے خاص کر نواب سرفراز محل صاحبہ سے سلسلۂ ملاقات رکھتیں وہ بھی ان دنوں باہر بیگمات میں شامل تھیں ایک روز میں نے قیصر بیگم سے کہا کہ نواب سرفراز محل صاحبہ سے جو کئی سال سے بے وفائی میں شہرت رکھتی ہیں تم نے ملاقات بڑھائی ہے جو انتہائی غلط ہے اس سے تمہاری حرف سے بھی بدگمانی پیدا ہونے کا امکان ہو سکتا ہے دراصل نواب سرفراز محل صاحبہ جو بلا کی حاسد تھیں اس جستجو میں تھیں کہ ان کی طرح دوسری بیگمات بھی خراب و بدنام ہو جائیں لہذا بڑی محبت سے انہیں اپنے پاس بٹھا کر خاطر و مدارات کرتی تھیں۔

قیصر بیگم سرفراز بیگم کی صحبت میں بڑی دلچسپی لینے لگیں لیکن یہ بات میرے خلاف طبع تھی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاہزادیوں کی سنیت کی تقریب میں سب محلات کے ساتھ بیگمات بھی شاہ منزل میں گئی تھیں لیکن انہیں بڑا ذلیل ہونا پڑا تھا اس سے مجھے بھی تکلیف ہوئی تھی جس وقت میں کسی صاحبہ محل کے پاس جاتا تو یہ بھی میرے ساتھ ہو جاتی تھیں میں مختلف طریقوں سے انہیں سمجھاتا اور منع کرتا لیکن وہ باز نہ آئیں میں یہ بھی کہتا رہا کہ اب میرا دل صاحبات محل کی طرف سے سیر ہو چکا ہے صرف دنیاداری اور مصلحت ہے جو ان سے ملتا ہوں تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں بلکہ کیا عجب کہ تمہاری توہین ہو اسلئے کہ میں جس محل کے پاس جاؤں گا اس کی خاطر بھی کروں گا اس وقت تمہارا مجھے کوئی خیال

نہ ہوگا اگر یہ بات تمہیں قبول ہو تو بے شک تم میرے ساتھ چلو۔
وہ تو سب کچھ قبول کر کے جاتی تھیں لیکن ایسی باتوں کی وجہ سے میرا دل نئے جلسے کی طرف سے بھر گیا۔
انہیں دنوں ایک اور عورت میرے گھر پڑی جس کو زہرہ بیگم کے خطاب سے ممتاز کیا گیا۔ اسی زمانہ میں میں نے اپنے کان پکڑے کہ آئندہ سے ہرگز کسی عورت سے عشق نہ کروں گا۔

۱۲۱

شدید علالت

اسی زمانہ میں قیصر بیگم کے طفیل میں سوزاک کے مرض میں گرفتار ہو گیا اور آگے دن یہ مرض ترقی پر ہی رہا سارے زخموں میں آگ کی سی جلن ہوتی تھی اس پر مستزاد یہ کہ محبوبوں اور گلرخوں کے دل کو بھی ملال رہتا تھا اور پھر میں نے دل سے کہا جبکہ مجھ میں کوئی عیب ہی نہ تھا اور صحت مند و توانا تھا تو تیرا کون پرسان حال تھا جو اب پیدا ہوگا ۔۔ عجیب اتفاق ہے کہ بالکل ایسی ہی صورت پیش آئی یعنی ایک روز محبوبہ عالم نواب مغل صاحبہ نے جب مجھے ہاتھ لگایا تو خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انہوں نے آٹے اور بیسن سے اپنے ہاتھ دھوئے یہ دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں انھوں نے پھر میرے قریب آ کر کہا خدا تم کو شفا دے بڑا موذی مرض ہے اس کے مریضوں کو لکڑی میں باندھ کر روٹی دی جاتی ہے اور اس کے جسم کو چھونا بھی بڑے نقصان کا باعث ہے چنانچہ اسی لئے میں نے اپنے ہاتھ دھو لئے۔

یہ سن کر میں چپکا رہا۔ اور ایک الگ جگہ جا کر خوب سا رو یا اس دن کے بعد سے میں نے شہنشاہ منزل بند کر دی اور کسی کو بھی اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی دوسری بیگمات نے حاضر ہونے کے لئے بہت تنگ کیا لیکن محبوبۂ عالم کی حرکت کا ایسا اثر تھا کہ اب میں کسی کو سامنے نہ آنے دیتا تھا اس بات کا میں نے کسی سے ذکر بھی نہ کیا اس لئے کہ میں واقعی ایسے ہی خطرناک مرض کا شکار تھا مرض کم ہونا تو کجا روز بروز ترقی پر تھا۔ رات رات بھر زخموں سے بیتاب ہو کر میں جاگ رہتا تھا بے چینی کے سبب سے پلک نہ لگتی تھی کئی مرتبہ مسہل حب سلاطین کھائی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا کئی بار باسلیق کی فصد لی پھر بھی صحت نہ ہوئی۔

یہ واقعہ ۱۲۶۵ھ کا ہے اگرچہ زخم اور دنبل سوکھ گئے تھے اور پرہیز بھی باقاعدہ جاری تھا لیکن تکلیف میں کوئی کمی نہ تھی آخر خود اپنی رائے سے حضرت سید الشہدا کے چہلم کے دنوں میں نے مجلس سے فارغ ہو کر کئی ہرڑ کھالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے خفقان بھی ہونے لگا آگے کیا بیان کروں عجیب حال ہو گیا تھا میرا جسم کے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اس کے دوسرے روز غش بھی آگیا میری آنکھیں بند رہیں میرے سارے متعلقین اور وہ محلات جو نیک اور شریف تھیں رونے پیٹنے لگتیں اور وہ ساری رات مجھے اپنے ہاتھوں پر رکھے رہتے تھے لیکن میں بالکل غافل تھا کیا کیا مجھ پر گزری کچھ خبر نہیں۔

اس دن سے آج کے دن تک دو ماہ کا عرصہ ہو گیا اسی طرح دنبل نکل آتے ہیں پھر سوکھ جاتے ہیں اسی بلا میں گرفتار ہوں مجھے دنیا کی کچھ خبر نہیں کبھی ہوش میں آتا ہوں تو شعر و شاعری کا شغل کرتا ہوں لیکن کچھ دیر بعد پھر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور تمام اعضائے جسم یہاں تک کہ آنکھ اور منھ بھی بید کی طرح لرزتے ہیں اتنا بھی قرار نہیں کہ نماز پڑھ سکوں خدا رحم کرنے والا ہے۔

واللہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ میری اس شدید علالت کے زمانہ میں اکثر محلات تماشائیوں کی طرح ادھر ادھر پھرتی تھیں اور نئے نئے کپڑے زیب بدن کرکے دن بھر رقص و سرود میں مشغول رہتی تھیں اب کس کس طرح بتاؤں! میں نے جب لوگوں کی یہ بے مروتی دیکھی تو باوجود اتنے شدید مرض کے رضی الدولہ کے مکان چلا گیا تاکہ ہم محلبوں اور معشوقوں کی جھنک زنی سے نجات ملے میں بیماری کی حالت میں ہوں اور وہ انتہائی صحت مندی کے عالم میں پھر بھی جب کبھی میں ہوش میں آتا ہوں تو سب محلات کو اپنے پاس بلا لیتا ہوں یا کبھی خود ہی زنان خانہ میں چلا جاتا ہوں۔

اسی دوران میں قیصر بیگم صاحبہ کو بھی اسی مرض نے آگھیرا ان کا جسم بھی زخموں میں بھر گیا (اصل میں انہیں کا مرض مجھے لگ گیا تھا) لیکن دو تین ماہ بعد وہ اچھی ہو گئیں لیکن میں ہنوز بیمار ہوں۔

پھر معلوم ہوا کہ امتیاز بیگم کو بھی یہی عارضہ ہو گیا ہے چنانچہ وہ تادم تحریر اس مرض کی تکلیف میں مبتلا ہیں وہ کبھی ہوش میں آتی ہیں کبھی ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

حضرت بیگم صاحبہ اور محبوبہ عالم صاحبہ نے اس بیماری میں بھی اپنا ظالمانہ برتاؤ جاری رکھا اور طرح طرح کے صدقہ دیتی رہتی تھیں ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت بیگم صاحبہ نے میرے عین شدت مرض میں مجھ سے جھگڑا کیا اور اپنے گھر چلی گئیں اور وہاں ایک تولہ افیوں کھالی یہ دوسرا صدمہ تھا جو مجھے سہنا پڑا میں مجبور ہو کر آدمیوں کے سہارے ان کے گھر گیا اور بڑی خوشامد کے بعد تھے کروائی آخر فضل الٰہی ہوا۔

زمانہ علالت کا ایک واقعہ اور ہے کہ محبوبہ عالم اور خسرو بیگم صاحبہ تیسری مرتبہ مجھ سے چھپ کر سیر و تفریح کے لئے گاڑی میں سوار ہو کر گئیں اور مجھے اطباء کے حوالے کر دیا ایک وہ دن تھا کہ میں ان کے بغیر کبھی سیر تماشے کا خیال بھی نہ کرتا تھا ایک یہ

دن ہے کہ مجھے علیل چھوڑ کر اور مجھے بتائے بغیر لطف اٹھانے کے لئے چلی جاتی ہیں اور میں ہوں کہ مرض کی شدت کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔

اسی دوران میں محبوبہ عالم صاحبہ نے اس شرمندگی کے باعث جو مجھ سے چھپ کر سیر کو گئی تھیں اور میری ساری محبت کو یک لخت بھول گئی تھیں کل مغرکہ یعنی میرا تمغہ اپنی بائیں ران پر رکھا یا اگرچہ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن اس سے نفس معاملہ میں کیا فرق پڑتا ہے۔

ابھی تک حضرت بیگم اور محبوبۂ عالم میرے ساتھ دھوکا بازی کئے جاتی ہیں یا کبھی لڑتی ہیں کبھی سمجھوتہ کر لیتی ہیں ایک روز نواب خاص محل صاحبہ کی موجودگی میں مجھے بڑا سخت سست کہا لیکن میں خاموش ہو گیا جب وہ تین روز میرے پاس رہتی تھیں تو تین روز کسی دوسری جگہ رہتی تھیں اللہ تعالےٰ کل مومنین و مومنات مسلمین و مسلمات کو دغاباز عورتوں سے محفوظ رکھے اسی زمانہ میں میں نے موسیقی کے کل ساز و سامان سے بیزاری کا اظہار کیا اور اب تک کبھی گانے کی آواز میرے کانوں میں نہیں پہنچی۔ اس بیزاری کی وجہ سے میرا سارا پری خانہ برباد ہو گیا اس سے متعلق ملازمین بھی موقوف کر دئیے گئے سارا شاہی اسباب ضائع ہو گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہم میں اور گوشہ ہے اور عارضۂ قلبی ہے
خداوند تعالیٰ جلد سے جلد صحت عطا فرمائے۔

۱۲۲

مرزا فلک قدر کی رحلت

عین میری علالت کے زمانہ میں مرزا فلک قدر کے انتقال کی خبر وحشت اثر

سنی یہ فرزند میرا ولی عہد تھا اور مرض دق میں مبتلا تھا آخر اسی مرض میں جہان فانی سے رخصت کی۔

میں کیا بتاؤں مرض کی شدت سے میری کمر جھک گئی۔ اس حالت میں غم کا آسمان مجھ پر ٹوٹ کر گر پڑا لیکن اب صبر و شکر کے سوائے کیا بھی کیا جائے

۱۲۳

نواب سکندر محل صاحبہ کی موت

تھوڑے ہی دن گزرے تھے ایک اور وحشت افزا خبر سنی گئی کہ معشوقہ باوفا نواب سکندر محل صاحبہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ میری محل تھیں اور عارضہ دق میں مبتلا تھیں۔ جس وقت یہ خبر میرے گوش گزار ہوئی اس وقت میرا دل خون بن کر آنکھوں کی راہ سے نکل آیا۔ اس وفادار دوست کا غم بھی عجیب تھا کہ بیان کرنا بھی مشکل ہے۔

۱۲۴

آرام السلطان کا سانحہ

چند روز بعد ایک اور حادثہ پیش آیا ہر لحظہ مجھے راحت پہنچانے والی آرام السلطان اسم بامسمی مرض سل میں مبتلا ہوئی اور تین ماہ بعد انتقال کر گئی اس سانحہ سے میری عجیب حالت ہے کبھی آسمان کی طرف دیکھتا ہوں کبھی استغفار کرتا ہوں خدا اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

125

وفادار اور بے وفا معشوق

معشوقۂ خاص ملکۂ ماہ عالم نواب سلطنت محل صاحبہ، محبوبۂ خاص جانِ جاناں، عاشق نما، نواب دلدار محل صاحبہ، حبیبۃ السلطان نمر مرتبۃ الزمانی نواب سکندر محل صاحبہ. خورشید لقا نواب امیر محل صاحبہ ملکہ ملک تاج النساء نواب معشوق محل صاحبہ. نشاطمحل نواب نخفی بیگم صاحبہ خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحبہ نگار محل صاحبہ، سیدۃ النساء حیدری بیگم صاحبہ یہ سب درمیانی درجہ کی وفادار عورتیں ہیں انکے علاوہ جو باقی رہتی ہیں وہ سب بے وفا ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

آٹھ نئی بیگمات میں بھی کسی کو میں وفادار نہیں کہہ سکتا میں متوقع ہوں کہ جو کوئی بھی یہ بے وفائی نامہ ملاحظہ کرے گا وہ عورتوں کی محبت سے گریز کرے گا اپنا ردیہ ان پر برباد کرے گا کیونکہ اس کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ پوشیدہ نہیں ان عورتوں کو اگر حضرت یوسف بھی مل جائیں تو اپنی بے وفائی کو نہ چھوڑیں اسی لئے ان سے دور رہنا ہی مناسب ہے۔

مجھ جیسے بادشاہ صورت و سیرت میں یکتا جس کی تعریف میں کتابیں لکھی گئی ہیں باوجود نازبرداریوں کے کچھ خوف نہ کریں تو دوسروں کے ساتھ کیا نہ کریں گی۔

❖

۱۲۶

ولیعہدی کا خلعت

مرزا فلک قدر بہادر جنت آشیاں نے جب خلعت ولیعہدی کو چھوڑ کر آٹھ سال کی عمر میں بقا کی راہ لی اور مسندِ ولیعہدی خالی رہی تو ماتم داری کے بعد میں نے ان کے چھوٹے بھائی مرزا کیوان قدر بہادر کو ولی عہدی کا خلعت اور نور چشم مرزا فریدوں قدر بہادر کو جو ملکہ تاج النساء نواب معشوق محل صاحب کے بطن سے ہیں جرنیلی کا خلعت عنایت کیا جس دن یہ خلعت دیئے گئے تھے وہ پندرہ ماہ شعبان یعنی امام ہمام کی پیدائش کا دن تھا. خدا مددگار رہے.

۱۲۷

چند عجیب واقعات

محبوبہ عالم نواب مغل صاحبہ اور مطلوب السلطان حضرت محل صاحبہ بلا وجہ رضی اللہ لہ کے مکان میں میرے ساتھ سکونت رکھتی تھیں اور دوسری بیگمات کی آمدورفت بالکل موقوف تھی.

ایک روز سب بیگمات نے اتفاق کیا اور لکڑی کا ایک زینہ لگا کر کوٹھے پر چڑھ آئیں اور دروازے اور تالے توڑ تاڑ کر بڑی مشکلوں سے میرے پاس آ گئیں جب میں نے دیکھا کہ ان کی دل جوئی میں حضرت بیگم صاحبہ بھی میرے ہاتھ سے نکلی جاتی ہیں تو مجبوراً حضرت بیگم صاحبہ کی تواضع و مدارات کو ضروری سمجھا

اور حالات سے مجبور ہو کر ان پانچوں عورتوں سے یعنی معشوق السلطان خسرو بیگم صاحبہ۔ عاشق السلطان ممتاز عالم نواب قیصر بیگم صاحبہ۔ حضور السلطان امراؤ بیگم صاحبہ۔ انجمن السلطان زہرہ بیگم صاحبہ اور محبوب السلطان بادشاہ بیگم صاحبہ۔ جو تلے توڑ کر آئی تھیں نفرت کرنی پڑی۔ اس لئے اب ان کی صورت بھی دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

عاشق السلطان ممتاز عالم نواب قیصر بیگم صاحبہ۔ میری اس شدید علالت کے باوجود ناچ گانے کی اجازت طلب کرنے لگیں اسی طرح معشوقہ خاص ملکہ ماہ عالم نواب سلطنت محل صاحبہ نے ان کے ساتھ بیٹھ کر گانا سننے کی خواہش کی۔ میری تن درستی کے زمانہ میں ان چیزوں کی کوئی ممانعت نہ تھی اور ان میں سے جس عورت کا بھی جی چاہتا تھا سازندوں کی سنگت میں گانے بجانے کی اجازت تھی لیکن اب جو عین بیماری کی حالت میں اس قسم کی خواہش کی تو میں نے انکار کر دیا لیکن ان کمبختوں نے میرے انکار کے باوجود اپنا گانا بجانا جاری کر دیا۔

یہ حرکت وزیر الممالک نواب صاحب بہادر علی نقی خاں کو بہت بری لگی کہ آقا تو تکلیف میں مبتلا ہے اور یہ لوگ خوشیاں منا رہے ہیں لہذا انہوں نے سخت پابندی لگا دی کہ کوئی شخص گانے بجانے والوں اور سازندوں میں سے حضور کی اجازت بغیر محلات اور بیگمات کے ہاں حاضر نہ ہو۔ جب اس پابندی پر سختی سے عمل کیا جانے لگا تو کتنی قسم کی مشکلات آ پڑیں یہاں تک نوبت پہنچی کہ مجھ سے ناچ گانے کی اجازت طلب کرنے لگیں مجھے یہ بات بھی سخت ناگوار گزری۔ اس لئے کہ دنیا کا قاعدہ ہے اگر عورت ہندو کے گھر پڑتی ہے تو ہندو مذہب ہی اختیار کرتی ہے اگر مسلمان کے گھر پڑتی ہے تو دین اسلام

ہی اختیار کرتی ہے پھر کیا سبب ہے کہ میں جن امور سے روکتا ہوں اور بیمار رہوں لیکن یہ لوگ اپنی سی کرتی ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عورتیں کینہ پرور ہیں. غالباً خدا سے دعا مانگ رکھی تھی کہ اگر میں بیمار پڑ جاؤں تو یہ اسی قسم کے اشتغال میں مصروف ہوں،

یہاں تک کہ قیصر بیگم صاحبہ کہنے لگیں. مجھے تمہارے پاس رہنا منظور نہیں ہے یا تو ہمیں رقص و سرود کی اجازت دو یا پھر اپنے گھر سے جانے کی ہمیں منظوری دو آخر میں نے مجبور ہو کر چلے جانے کی اجازت دیدی لیکن خدا جانے پھر کیا سوچا کہ وہ نہیں گئیں،

جب اس غرض کو لے کر یہ پانچوں بیگمات میری رہائش گاہ جو رضی الدولہ کے مکان کے نام سے مشہور ہے آئی تھیں. میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اس پر وہ کہنے لگیں ہم لوگوں کی خاطر و تواضع کرو اس لئے ہم تمہارے پاس آئے ہیں لیکن حضرت بیگم صاحبہ کی خواہش تھی کہ صرف ان کی خاطر داری ہو اور ان کے پاس کوئی آنے جانے نہیں، جب اس جھگڑے نے طول پکڑا اور تمام بیگمات مذکورہ مکان میں رہ پڑیں تو برابر پانچ روز تک دن لڑائیاں ہوتی رہیں. اس دوران میں محبوبہ عالم نواب مخل صاحبہ نے کئی مرتبہ برا سا منہ بنا کر اور میرے روبرو کھڑے ہو کر کہا. مجھے تمہاری بیماری کی کوئی پرواہ نہیں ہے. میں نے صرف آسمان کی طرف دیکھا اور چپ ہو گیا. ایک روز دیکھا کہ میرے منع کرنے کے باوجود محبوبہ عالم تاش کھیل رہی تھیں یہ فعل بھی میرے دل کو دکھانے کا باعث ہوا.

ان لوگوں کی طرف سے فی الواقع جب جی بھر گیا تو ایک روز زبردستی تمام بیگمات کو اپنے گھر سے نکال دیا اور محل میں بھیج دیا البتہ حضرت محل

میرے ساتھ رضی الدولہ کے مکان میں رہ گئیں جب وہ سب اس طرح نکالی گئیں تو کالے سانپ کی طرح بل کھانے لگیں ادھر حضرت محل کہنے لگیں۔ تم نے اگر مجھ سے ملنا چھوڑ دیا تو خدا کی قسم میں اپنی جان کھو بیٹھوں گی بالآخر ان کے اور میرے مابین یہ طے ہوا کہ جو میری مرضی ہو وہ میں کروں اور جو ان کی مرضی ہو وہ کریں۔

ایک روز عید الضحیٰ کے موقع پر جناب والدہ صاحبہ کے مجرے اور نذر کے لئے میں بادشاہ منزل گیا اس وقت حضرت بیگم میرے ساتھ تھیں۔ وہاں تمام بیگمات اور محلات کے ساتھ محفل رہی۔ آخر میں رات کے وقت تمام بیگمات مع اپنے عمال کے جن کی تعداد تین چار ہزار تھی جمع ہوئیں اس کا مقصد یہ تھا کہ آج رات حضرت بیگم کو سب کے سامنے ذلیل کیا جائے۔ چنانچہ تمام راستوں اور دروازوں پر اپنے آدمیوں کو بٹھا دیا۔ کہ آمد ورفت بند کر دی جائے۔ جب حضرت بیگم کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خودکشی کے خیال سے ایک چھری مجھ سے چھپا کر ساتھ رکھ لی میں پہر رات گزرنے کے بعد والدہ صاحبہ سے اجازت لے کر تانجان پر سوار ہوا۔ جب تانجان کو کہاریاں اٹھانے ہی والی تھیں کہ حضرت بیگم نے کہا۔ اے جان عالم میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ میں چونکہ حالات سے لاعلم تھا اس لئے کہا بسم اللہ آجاؤ بیگم مذکور تانجان پر سوار ہو کر میری داہنی جانب بیٹھ گئیں۔ کہاریوں نے ابھی تانجان اٹھایا ہی تھا کہ معشوق السلطان اور محبوبہ عالم جھپٹ کر آئیں اور چاہا کہ حضرت بیگم کو کوڑے مار کر تانجان سے نیچے گرا دیں دفعتاً دو چار عورتوں نے تانجان کو اپنے گھیرے میں لے لیا پھر محبوبہ عالم چاہتی تھیں کہ کوڑے کا تسمہ حضرت بیگم

کے گلے میں ڈال کر انہیں نیچے گرائیں، عین اسی وقت حضرت بیگم نے میان سے خنجر نکالا اور چاہا کہ اپنے سینے میں گھونپ لیں میں نے خنجر اور ان کے سینے کے درمیان اپنا ہاتھ رکھ دیا، یہ عجیب مشکل کا وقت تھا جس کا لکھنا محال ہے۔

آخر کار ہزاروں کوششوں کے بعد جناب والدہ صاحبہ درمیان میں پڑیں اور کافی بحث و تمحیص اور سعی و کوشش کے بعد اس بات پر فیصلہ ہوا کہ میں روزانہ سات گھنٹے حضرت بیگم صاحبہ کے پاس رہوں گا اور ایک گھنٹہ ان سب بیگمات کے ساتھ گزاروں گا چنانچہ اسی وقت سے اب تک یہی عمل جاری رہا ہے جناب والدہ صاحبہ کی طرف سے ایک ملازم آتا ہے میں اس کے ساتھ ان پانچوں بیگمات کے پاس جا کر ایک گھنٹہ گزار کر واپس آتا ہوں لیکن حضرت بیگم صاحبہ کو یہ بھی گوارا نہیں اور میرا دل بھی ان بے وفاؤں سے ملنا نہیں چاہتا لیکن آئندہ دیکھا جائے گا کیا صورت ہوتی ہے اسی زمانہ میں معلوم ہوا کہ حضور السلطان امراؤ بیگم صاحبہ نے ایک امام باڑہ میری چوری سے خریدا ہے لیکن چونکہ اس میں کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے اسکی خبر ہو سکی بعد میں میں اس بات پر ان سے ناراض ہو گیا۔

۱۲۸

جہاں آرا بیگم کا سانحہ

اسی زمانے میں ۲۹ ر ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ کو ایک غم تازہ نصیب

ہوا۔ یعنی اس آیۃ کریمہ کے بمصداق:۔

کل نفس ذائقۃ الموت ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

لختِ جگر جہاں آرا بیگم صاحبہ جو فضہ جبشن کے بطن سے تھیں اور وہ میرے خلوص میمنت میں پیدا ہوئی تھیں تین سال کی عمر پا کر انتقال کر گئیں۔ اس غم سے میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور اس تیر ماتم سے دل اور جگر پارہ پارہ ہو گئے، خداوند تعالےٰ اس مرحومہ کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے۔

پری خانہ

قطعہ تاریخ

چوں کتاب عشق نامہ شد تمام
گردشِ تصنیف خود با دولتے
گفتم اختر مصرع تاریخ آں
کردم از احوالِ نسواں فرصتے

سنہ ۱۲۶۵ ہجری

ختم شد

اسی سلسلے کی چند دوسری کتابیں

اگلے صفحے پر!

عوامی لائبریری کے مشہور و مقبول سلسلے

کی دوسری —

سستی اور کم خرچ کتابوں

کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

کتاب کار پبلیکیشنز رامپور یوپی

پہلے کم خرچ سیٹ کی دوسری کتابیں

۱۔ حرف حرف :۔ فیض احمد فیض کا نیا مجموعۂ کلام جس میں دست تہ سنگ کے بعد تک کا سارا کلام شامل ہے۔
قیمت :۔ تین روپے۔

۲۔ جانوروں کی نفسیاتی کہانیاں :۔ شکار کے موضوع پر دلچسپ ترین کتاب قیمت دو روپے

۳۔ رسوم دہلی :۔ دہلی کی تہذیب پر نہایت مستند کتاب سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کے قلم سے۔ قیمت دو روپے

۴۔ چھیڑ غالب سے چلی جائے :۔ غالب کے فن اور زندگی پر ڈراموں، فیچروں اور مزاحیہ مضامین کا خوبصورت انتخاب :۔ قیمت تین روپے۔

۵۔ تاج کے ڈرامے انار کلی پر ایک نظر :۔ قیمت ایک روپے

۶۔ چچا چھکن :۔ اردو کا عظیم بدحواس مزاحیہ کردار جسے مشہور ادیب امتیاز علی تاج نے لکھا جسے پڑھ کر آپ ہنستے ہنستے بے حال ہو جائیں گے۔ قیمت سوا روپیہ

کتاب کار پبلیکیشنز رامپور یوپی